قمر الهدایہ

مصنف

سراج السالکین سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی قدس سرہ

(ولادت: ۱۳۰۰ھ- وفات: ۱۳۸۵ھ)

مرتب

سید شاہ فیضان الہدیٰ قادری مصباحی

بارگاہ شاکریہ ایجوکیشنل مشن

۷۸۶

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ .

(القرآن الکریم آیت: ۲۴، ابراہیم: ۱۴)

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سال طاعت بے ریا

قَمَرُ الْهِدَايَة
فِي الْبَيْعَة وَالْوِلَايَة

مولفہ

حضرت مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترتیب جدید

مولانا سید شاہ فیضان الہدیٰ قادری مصباحی

ناشر

بارگاہ شاکریہ ایجوکیشنل مشن، پنڈ شریف

نام کتاب : قمر الہدایہ فی البیعۃ والولایۃ
مصنف : سراج السالکین حضرت سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابوالعلائی
پروف وتخریج: مولانا فیاض احمد برکاتی مصباحی ۔ مولانا رضاء المصطفیٰ برکاتی
کمپوزنگ : پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور، اعظم گڑھ 09235647041
صفحات: 104
تعداد: 1100
اشاعت: ربیع الآخر 1435ھ بموقع 111واں عرس شاکری قمری احسنی
ناشر: بارگاہِ شاکریہ ایجوکیشنل مشن، پنڈ شریف

ملنے کے پتے

(۱)- خانقاہِ شاکریہ، پنڈ شریف، شیخ پورہ 9955716300
(۲)- حافظِ ملت ریسرچ اکیڈمی، مبارک پور 9838488281
(۳)- مکتبہ حافظِ ملت، مبارک پور 9044401887
(۴)- رضوانی ویلفیئر ایسوسی ایشن، بھدرک اڑیسہ

QAMRUL HEDAYA
Bargahe Shakirya Educational Mission
Pind Sharif, Shekhpura, Bihar

تہدیہ

بانیان سلاسلِ اربعہ

سلسلۂ قادریہ

محبوب سبحانی، قطب ربانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(وفات:۵۶۱ھ)

سلسلۂ چشتیہ

ملک المشایخ، قطب زمان شیخ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(وفات:۳۲۹ھ)

سلسلۂ نقش بندیہ

شیخ المشایخ، شیخ بہاء الدین نقش بندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(وفات:۷۹۱ھ)

سلسلۂ سہروردیہ

شیخ الشیوخ ضیاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(وفات:۵۶۳ھ)

اور

خانقاہ شاکریہ نعیمیہ کے جملہ خلد نشیں بزرگانِ دین و مشایخ مقربین کے نام
جن کی مساعی جمیلہ سے اسلام کی خوب خوب ترویج و اشاعت ہوئی

سید شاہ فیضان الہدیٰ قادری مصباحی

انتساب

☆☆☆

مجددِ اعظم اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی قدس سرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ......(وفات:۱۳۴۰ھ)

☆☆☆

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ..........................(وفات:۱۳۶۷ھ)

☆☆☆

تاج دارِ سنیت حضور مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ...(وفات:۱۴۰۲ھ)

☆☆☆

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ...(وفات:۱۳۹۶ھ)

☆☆☆

حضرت علامہ مفتی عبد الرؤف بلیاوی مصباحی علیہ الرحمۃ...................(وفات:۱۳۹۱ھ)

☆☆☆

حضور شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق مصباحی امجدی علیہ الرحمۃ......(وفات:۱۴۲۱ھ)

☆☆☆

حضور مجاہد ملت مفتی محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ...................(وفات:۱۴۲۱ھ)

☆☆☆

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ.............(وفات:۱۴۲۳ھ)

☆☆☆

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی علیہ الرحمۃ...........(وفات:۱۴۳۴ھ)

تقریظ جلیل

محدثِ جلیل حضرت علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ مصباحی دام ظلہ العالی
شیخ الحدیث: جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

زیرِ نظر کتاب "قمر الھدایۃ فی البیعۃ والولایۃ" مؤلفہ حضرت مولانا سید قمر الہدیٰ قادری علیہ الرحمۃ کو میں نے جابجا دیکھا ہے۔ یہ کتاب سلسلۂ تصوف کی ایک اہم کڑی ہے۔ جس میں سولہ ابواب کے تحت بیعت وارشاد، مجاہدہ ومراقبہ اور سلوک وتصوف کے کئی مسائل پر قرآن وحدیث سے مدلل، مبرہن، نہایت شیریں اور سلیس زبان میں جامع گفتگو کی گئی ہے، اور انھیں کے ضمن میں منکرین تصوف کے اعتراضات اور بدعقیدوں کی گستاخیوں کا دلائل کی روشنی میں دفع بھی کیا گیا ہے۔ ادھر کئی سالوں سے اس کتاب کی اشاعت موقوف تھی، خدا جزائے خیر دے عزیزم سید محمد فیضان الہدیٰ مصباحی سلمہ کو جنھوں نے اپنے جدامجد کے سالانہ عرس کے موقع پر ترتیب وتخریج اور جدید رنگ وآہنگ کے ساتھ اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے انھیں اور ان کے رفقائے کار کو دارین کی سعادتوں سے ہم کنار فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین ﷺ

عبدالشکور عفی عنہ

۳۰/ جنوری ۲۰۱۴ء

دعائیہ کلمات

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہ و أصحابہ اجمعین

اللہ جل شانہ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "یعنی اے اللہ ! تو ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تونے انعام واکرام کیا۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھیں کی اتباع میں بھلائی ہے جن پر اللہ جل شانہ نے احسان وانعام فرمایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کون سے حضرات ہیں؟ تو اس کی بھی نشان دہی قرآن مجید میں موجود ہے، ارشاد ہے: "فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ " یعنی یہ حضرات انبیا، صدیقین، شہداء اور متقی و پرہیز گار ہیں۔ لہٰذا اس حکم قرآنی کے مطابق ہم پر ضروری ہے کہ فلاح دنیوی واخروی کی خاطر ان حضرات کی زندگی کو اپنے لیے نمونۂ عمل اور مشعل راہ بنائیں اسی اتباع اور پیروی کو دوسرے لفظوں میں "بیعت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب "قمر الهداية فی البیعة و الولاية" میرے جد کریم سراج السالکین سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی قدس سرہ کی گراں قدر تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے بیعت و ارشاد کے متعلق سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ اور اس عنوان کے جملہ گوشوں کو خوب واضح فرمایا ہے۔ اس کتاب کی پہلی اشاعت ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ ضرورت تھی کہ اسے دوبارہ جدید انداز سے طبع کرا کے عوام کے سامنے لایا جائے۔

بحمدہٖ تعالیٰ! میرے فرزند عزیز مولانا سید فیضان الہدیٰ قادری مصباحی کی کوششوں سے جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ مطالعہ کے لیے حاضر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مقبول خاص و عام فرمائے۔ آمین۔

سید شاہ رضوان الہدیٰ قادری مصباحی
سجادہ نشین خانقاہ شاکریہ قمریہ احسنیہ پنڈ شریف
یکم ربیع الآخرہ،۱۴۳۵ھ/۳۱/ جنوری ۲۰۱۴ء

عرضِ مرتب

از: سید شاہ **فیضان الہدیٰ قادری** مصباحی، ولی عہد خانقاہ شاکریہ قمریہ احسنیہ پنڈ شریف

بیعت لفظ "بیع" سے مشتق ہے جس کا لغوی معنیٰ خریدنا اور بیچنا آتا ہے اور اصطلاح شرع میں کسی مرشد برحق کے ہاتھوں پر عقائد حقہ پر قائم رہنے اور پابند شرع رہنے کا عہد کر لینے کا نام بیعت ہے۔ چوں کہ اس میں بھی مرشد برحق اپنا ہاتھ مریدوں کے ہاتھ پر رکھتے اور توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہیں۔ اور یہ عہد لیتے ہیں کہ اللہ و رسول کا حکم مانیں گے اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں برداری کریں گے نافرمانی نہ کریں گے۔ برائی سے بچیں گے وہابیت غیر مقلدیت، رافضیت، قادیانیت، خارجیت وغیرہ فرقہائے باطلہ سے دور رہیں گے، ان کو اپنے سے دور رکھیں گے اسی مناسبت سے اس عہد و میثاق کو بیعت کہا جاتا ہے۔

بہر حال مرید ہونا ایک مستحسن امر ہے جو بے شمار فوائد کا حامل ہے اور یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اور برکت کا ذریعہ ہے اس لیے بیعت سے پہلے پیر میں مندرجہ ذیل شرطوں کا دیکھ لینا ضروری ہے جن کے بغیر پیری اور مریدی درست ہی نہیں ہو سکتی وہ شرائط یہ ہیں جن کو حضور سیدی سرکار مجدد اسلام امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ ملقب بہ اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ر، ص: ۱۵۵ر پر ذکر فرمایا ہے۔

"حسب تصریح ائمۂ کرام پیر میں چار شرطیں لازم ہیں۔

اول — سنی صحیح العقیدہ

دوم — علم دین بقدر کافی رکھتا ہو

سوم — کوئی فسق علانیہ نہ کرتا ہو

چہارم — اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صحیح اتصال سے ملا ہو۔

اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ

دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطع السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہیے جہاں پر یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔"

طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیر کی تعظیم و تکریم بجالائے تبھی اس کو اس سلسلہ کی برکتیں حاصل ہوں گی، حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب «سبع سنابل شریف» میں ایسے نادر اقوال و ارشادات نقل فرمائے ہیں جو ایک طالب صادق کے لیے نشانِ منزل اور بے قرار دل کے لیے چین و سکون ہیں۔ اس کتاب کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

(۱)-بیعت کرنا ہر شخص کے ہاتھ پر زیبا نہیں ہے کہ کھوٹے سکے سوائے غم بڑھانے کے کسی کام نہیں آتے۔(ص:۱۰۸)

(۲)-مریدی دین اور ایمان کی چار دیواری ہے اور ہر مسلمان کو اپنے دین کی فکر رہتی ہے۔ (ص:۱۰۹)

(۳)-ہمارا سر تا پا وجود گناہ ہے اور مرید ہو جانا ہر گناہ کے لیے پناہ گناہ ہے۔ (ص:۱۰۹)

(۴)-اے عزیز! بیعت صحیح ہونے کی ایک شرط طریقت میں سلف کی اجازت ہے دھوکے سے کھوٹے سکوں کو مت چلا؛ اس لیے کہ یہ ناخلف اور بگڑے ہوئے لوگوں کا راستہ ہے۔ (ص:۱۱۱)

(۵)-سب سے زیادہ نادان اور احمق ہے وہ شخص جو خلافت لے لے اور کچھ بھی اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور ایسے کو خلافت دینے والا بھی یقیناً سخت بدلحاظ ہے۔(ص:۱۱۴)

(۶)-جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے شریعت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرا گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔(ص:۱۱۵)

(۷)-جو شخص اپنی کرامتوں پر شیخی بگھارتا ہو، تو سمجھ لو کہ وہ کتے کی طرح بھوں بھوں کرتا ہے۔(ص:۱۱۷)

(۸)-مرید کو چاہیے کہ اپنے تصرفات پیر کے ہاتھ پر چھوڑ دے اس لیے کہ جو مردہ زندہ

کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسے اختیار ہی کب ہوتا ہے۔ (ص:۱۲۶)

(۹)-مریدانِ صادق کو اپنے پیر و مرشد کے ذکر میں بھی حلاوت ایمان حاصل ہوتی ہے۔ (ص:۱۳۹)

(۱۰)-باطن کے دروازوں کے کھولنے اور تمام مشکلوں کے حل کرنے کی کنجی پیروں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔(ص:۱۵۵)

(۱۱)-اگر بیعت بدعت ہوتی تو سلف ہرگز اس کو راہ عرفان کا رہبر نہ بناتے اور بزرگوں پر بدعت کی بدگمانی کرنا گمراہی ہے۔ لہٰذا بیعت کو باطل سمجھنا خود ہی باطل ہے۔ ملخصًا(ص:۱۸۶)

حضور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان سے پیر اور مرید کے رشتے کے متعلق سوال ہوا، آپ نے اس کا محقق اور مدلل جواب عنایت فرمایا جو پیر اور مرید کے رشتہ کو اس طور پر واضح فرمایا ہے کہ یہ طالب کے لیے نشان راہ سلوک ہے اور پیر اور اس کے سلسلہ سے فیض حاصل کرنے کی کنجی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ذکر کرنا اشد ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ ہم شیدائیوں کو بزرگوں کی تعظیم و توقیر کا طریقہ اور ان سے فیض حاصل کرنے کا سلیقہ آجائے۔

مسئلہ:-از مقام موضع برنیاں ضلع بریلی بتاریخ ۱۸ر شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے، پیر و مرشد کا کیا حق ہے، مرید کے روپیہ و اسباب میں کتنا مرشد کو دیوے اور کتنا مرید اپنے خرچ میں لاوے، و بات تحریر فرمائی جاوے جس سبب سے پیر کے حق سے چھوٹے، تاکہ قیامت میں مواخذہ نہ ہو، اور پیر و مرشد کی حکم عدولی کرے اور جیسا کہ مرید کو حکم ہوا اس پر عمل نہ کرے ایسے مرید کے لیے کیا حکم ہے؟ اور قیامت میں مواخذہ ہوگا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب:-پیر واجبی پیر ہونا چاروں شرائط کا جامع ہو، وہ حضور سید المرسلین ﷺ کا نائب ہے اس کے حقوق حضور اقدس ﷺ کے پرتو ہیں جس سے پورے طور پر عہدہ برآ ہونا محال ہے، مگر اتنا فرض و لازم ہے کہ اپنی حد قدرت تک ان کے ادا کرنے میں عمر بھی ساعی رہے۔ پیر کی جو تقصیر رہے گی اللہ و رسول معاف فرماتے ہیں۔ پیر صادق کہ ان کا نائب ہے یہ بھی معاف

کرے گا کہ یہ توان کی رحمت کے ساتھ ہے۔ائمۂ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ مرشد کے حق باپ کے حق سے زائد ہیں۔اور فرمایا ہے کہ باپ مٹی کے جسم کا باپ ہے،اور پیر روح کا باپ ہے،اور فرمایا ہے کہ کوئی کام اس کے خلاف مرضی کرنا مرید کو جائز نہیں۔اس کے سامنے ہنسنا منع ہے،اس کی بغیر اجازت بات کرنا منع ہے اس کی مجلس میں دوسرے کی طرف متوجہ ہونا منع ہے اس کی غَیبت میں اس کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنا منع ہے۔اس کی اولاد کی تعظیم فرض ہے،اگرچہ بے جا حال پر ہوں اس کے کپڑوں کی تعظیم فرض ہے۔اس کے بچھونے کی تعظیم فرض ہے۔اس کی چوکھٹ کی تعظیم فرض ہے اس سے اپنا کوئی حال چھپانے کی اجازت نہیں۔اپنے جان ومال کو اسی کا سمجھے۔

(فتاویٰ رضویہ،ج:۱۱،ص:۱۵۲،رضا اکیڈمی)

اپنے مرشد کی تعظیم کس طرح کرنی چاہیے اور ان کا ہم پر کیا حق ہے یہ آپ پر اچھی طرح ظاہر ہوگیا،ہمارے اسلاف اپنے بزرگوں کی کس طرح تعظیم کیا کرتے تھے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الاسلام! خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات معروف بہ ”فوائد السالکین“ میں لکھتے ہیں کہ:”ایک بار خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ سلوک کے سلسلہ میں وعظ فرمارہے تھے جب داہنی طرف نظر پڑتی کھڑے ہوجاتے تھے۔سو بار یوں ہی کھڑے ہوئے،لوگ حیرت میں تھے جلسہ ختم ہونے کے بعد ایک بے تکلف آدمی نے عرض کیا آپ بار بار کھڑے کیوں ہوجاتے تھے؟ فرمایا جب میری نگاہ مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ پر پڑتی کھڑا ہوجاتا تھا،اس لیے کہ پیر کی تعظیم زندگی اور موت ہر حالت میں برابر واجب ہے بلکہ مرنے کے بعد اور زیادہ۔“ (انوارِ ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ،ص:۴۶۶،مطبع رضوی کتاب گھر،دہلی)

جب میں یہ تحریر رقم کر رہا تھا اس درمیان میری نگاہوں کے سامنے سے کئی کتابوں کا گزر ہوا لیکن جب میری نگاہ حضرت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے ملفوظات پر پڑی(جس کو ان کے صاحب زادے حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے مرتب کیا ہے)تو میری جستجو ختم ہوگئی۔آپ نے اس میں پیر،مرید وطالب کے لیے ایسے ایسے عمدہ نکات بیان کیے ہیں جن سے ہمارے سامنے پیش آنے والے وہ تمام شکوک دور ہوجاتے ہیں جن کو اکثر عوام الناس غلط بیان کر ایک پیر سے دوسرے

پیر ایک مرید سے دوسرے، ایک خانقاہ سے دوسری خانقاہ کے درمیان اختلاف پیدا کرتے رہے ہیں۔ انشاء اللہ یہ ارشادات ہماری ان بیماریوں کے لیے تریاق کے مثل ہے۔ اب ہم ذیل میں مذکورہ کتاب کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

پیر کے وصال کے بعد کسی اور سے بیعت ہونا کیسا ہے؟

عرض: زید محمد شیر میاں صاحب پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوا تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان کا وصال ہو گیا اب کسی اور کا مرید ہو سکتا ہے۔

ارشاد:- تبدیل بیعت بلا وجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید جائز بلکہ مستحب ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید نہ ہوا ہو اور اپنے شیخ سے بغیر انحراف (یعنی بیعت توڑے بغیر) اس سلسلہ عالیہ میں بیعت کرے یہ تبدیل بیعت نہیں بلکہ تجدید ہے کہ جمیع سلاسل اس سلسلۂ اعلیٰ (یعنی سلسلہ قادریہ) کی طرف راجع رہیں۔ (ص:۶۴،۶۵)

یہ مسئلہ تو اس کا تھا کہ کیا پیر کے انتقال کے بعد کسی سے مرید ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ لیکن اگر اس کا پیر ابھی حیات میں ہو اور یہ مرید کسی اور پیر سے مرید ہونا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ملاحظہ ہو-

عرض:- کسی شیخ سے بیعت کر کے دوسرے سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

ارشاد:- اگر پہلے میں کچھ نقصان یعنی کمی ہو تو بیعت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں البتہ تجدید کر سکتا ہے۔

عدی بن سافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میں کسی سلسلے کا آئے اس سے بیعت لے لیتا ہوں سوا غلامانِ قادری کے کہ بحر کو چھوڑ کر نہر کی طرف کوئی نہیں آتا۔ (ص:۲۶۳)

کسی کامل پیر سے مرید ہونے کے بعد کسی اور سے مرید ہونا صحیح نہیں ہاں طالب ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ کا فیض بھی اس کو حاصل ہو اس لیے بیعت اور طالب کا فرق خوب سمجھ لینا چاہیے۔ اسی کے متعلق اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا۔

عرض:- حضور طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے؟

ارشاد:- طلب ہونے میں صرف طلبِ فیض ہے اور بیعت کے معنیٰ پورے طور پر بکنا۔ (ص:۲۲۸)

بعض حضرات دوستوں یا گھر والوں یا پھر کسی مجمع کی وجہ سے رسماً مرید ہوجاتے ہیں اس کا ادب پاس لحاظ نہیں رکھتے اس کے بعد انھیں کہیں اس طرح کا موقع پھر نصیب ہوتا ہے تو وہ پھر دوسرے سے مرید ہوجاتے ہیں۔ اس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

’’کہ لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں بیعت کے معنیٰ نہیں جانتے (کہ بیعت کسے کہتے ہیں پھر آپ ایک عبرت آموز واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ) بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں ’’ان مرید نے عرض کی‘‘ یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ کے ہاتھ میں دے چکا ہوں اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ ‘‘حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے اور حضرت یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔ (۲۲۸)

بعض لوگ اپنے پیر کی سچی، جھوٹی خود ساختہ کرامتیں خوب مبالغہ کے ساتھ بیان کر دوسرے شخص کے پیر سے موازنہ کرتے ہیں کہ میرا پیر تمھارے پیر سے زیادہ طاقتور ہے۔ (معاذ اللہ) اس کے تعلق سے حضور اعلیٰ حضرت بیان فرماتے ہیں کہ تو ’’کشف و کرامت نہ دیکھ استقامت دیکھ کہ شریعت کے ساتھ کیسا ہے؟‘‘ (۴۴۳)

میرے مولائی حضرت سید شاہ قمر الہدیٰ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اس کتاب کو سولہ ابواب پر مشتمل کر بیعت و طریقت کے بے شمار انمول گوہر بکھیرے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے کثیر کتابوں کے حوالہ جات درج کیے ہیں بعض مواقع پر وہابیہ دیوبندیہ کے بدعقیدگی پر ضرب کاری بھی لگائی ہے اور انھیں کی کتابوں سے ان کا ردِّ بلیغ فرمایا ہے۔ یہ کتاب اپنے لکھے جانے کے زمانے سے ہی اہلِ سلوک کے لیے خضر راہ رہی ہے۔

اس سال کے عرس شاکری قمری احسنی کے موقع پر جدید کمپوزنگ، تخریج و حواشی کے ساتھ منظر عام پر لایا جارہا ہے۔ اس موقع پر میں اپنے تمام احباب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کارِ خیر میں ہمارا کسی بھی طریقے سے ساتھ دیا، بالخصوص میں اپنے استاذ و مربی محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے اس بے پایاں کرم و احسان کو کبھی فراموش نہیں کرپاؤں گا کہ آپ نے عدیم الفرصتی اور ناسازگاری طبیعت کے باوجود

اپنے کچھ قیمتی اوقات نکال کر اس کتاب کو جابجا مطالعہ فرمایا اور تقریظ رقم کر کے اس کتاب کی مقبولیت میں چار چاند لگا دیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ ہم پر تا دیر قائم رکھے۔ ساتھ ہی استاذِ محترم ادیبِ شہیر حضرت علامہ نفیس احمد مصباحی مدظلہ العالی کا تہِ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے قدم قدم پر ہماری رہ نمائی فرمائی اور ایک تحقیقی اور گراں قدر مقدمہ سے بھی نوازا۔

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حضرت مولانا محمد قاسم مصباحی دام ظلہ کا شکر گزار ہوں جنھوں نے بالاستیعاب اس کتاب کا مطالعہ فرمایا اور خاطر خواہ اصلاح فرمائی۔

اس کارِ خیر میں میرے ہر دل عزیز مولانا فیاض احمد برکاتی مصباحی و مولانا رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی قدم قدم پر ہمارے دست و بازو بنے رہے اور مسودہ مبیضہ سے لے کر طباعت تک کے سارے اہم کاموں کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور ان کے رفقاے کار کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے اور مزید خدمت دین کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین ﷺ۔

تقدیم

از: حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین، شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین.

امتِ محمدیہ میں ابتدا ہی سے دو طرح کی شخصیات رہی ہیں، ایک تو وہ جنھیں ہم علماے شریعت کہتے ہیں، ان کا اصل ہدف انسان کے ظاہر کو شرعی احکام کے سانچے میں ڈھالنا اور اس کے ظاہر کی اصلاح کرنا رہا ہے، دوسرے وہ جنھیں عرفاے طریقت اور اربابِ تصوف کہا جاتا ہے، ان کا اصل مقصد انسان کے باطن کی اصلاح اور آراستگی ہے، ان دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے نفوس قدسیہ جو گہرا علم اور تعمیری فکر رکھتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوئے۔ ہاں جہاں علم کی کمی، اخلاص کا فقدان اور تعمیری فکر کے بجاے تخریبی ذہنیت کی کار فرمائی ہوئی، وہاں ان کے برے نتائج کا ظہور ایک فطری چیز ہے، دونوں گروہوں میں جہاں مخلصین کا ایک تسلسل نظر آتا ہے وہیں اخلاص وللّٰہیت سے خالی، منفی ذہنیت کے حامل افراد کی موجودگی بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے مصنف عارف حق آگاہ، شیخ ربانی حضرت مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابوالعلائی علیہ الرحمۃ والرضوان ان مخلص اربابِ طریقت سے ہیں جو شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے مختصر احوالِ زندگی نذرِ قارئین ہیں۔

مصنف کتاب حضرت مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۳۰۰ھ میں پنڈ شریف میں ہوئی جو ضلع شیخ پورہ (مونگیر) صوبہ بہار میں واقع ہے۔ آپ خانقاہِ شاکری کے دوسرے سجادہ نشیں ہوئے۔

آپ کے والدِ گرامی حضرت سید شاہ تاج الدین شاکر علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔ حضرت

سید شاہ تاج الدین شاکر علیہ الرحمۃ کو چھ اولادیں، تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں میں سید شاہ نور الہدیٰ، مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ، اور سید شاہ مہر الہدیٰ تھے، مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ کی پیدائش پنڈ شریف میں ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے وجودِ مسعود سے خانقاہ شاکری منور ہو گیا۔ ضیاءِ قمر سے مریدین، متوسلین اور عامۃ المسلمین کے دل روشن ہو گئے۔

آپ کا قد لانبا، گندمی رنگ اور دُہرا بدن تھا۔ جسم اطہر نہایت ملائم، سر مبارک کے بال بہت چھوٹے چھوٹے، چشم مبارک بڑی بڑی، ابرو نہایت باریک، پیشانی کشادہ، بینی مبارک زیادہ اونچی نہ تھی، دہن مبارک کشادہ، نیچے کا لب تھوڑا سا نیچے کی طرف مائل، مونچھیں صاف، ریش مبارک نہ زیادہ گھنی نہ پیچ دار، گردن لمبی نہ اونچی، دستِ مبارک کی انگلیاں لمبی، پائے مبارک کی انگلیاں بھی لمبی، کف دست اور پاؤں کے تلوے مثل اون کے نہایت نرم، آپ کے پر نور چہرے سے ہمیشہ معصومیت ٹپکتی تھی، ناراضگی، سختی اور ترش روئی کے آثار روئے مبارک سے بالکل معدوم تھے۔

اپنے والد بزرگوار کی طرح یہ بھی لانبا کرتا، صدری اور شلوار استعمال کرتے، سر پر کھڑی باڑھ کی گول ٹوپی اور کبھی کبھی سبز عمامہ بھی ہوا کرتا تھا۔

بات کرنے کا انداز اتنا پیارا ہوتا تھا کہ مخاطب یہی سمجھتا تھا کہ اپنے تمام متوسلین میں مجھی کو زیادہ مانتے ہیں۔ اپنے بیٹے سے بھی چھوٹوں کو "بھیا مِرا" کہہ کر مخاطب کرتے، آواز میں کرختگی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اگر کوئی شخص کسی سلسلے میں آپ سے سوال کرتا تو اس کا جواب اس قدر معقول انداز سے دیتے کہ سوال کرنے والا مطمئن ہو جاتا۔ اور اسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ حق کے وہ طالب جو آپ کی خدمت سے وابستہ رہے تھوڑی ہی مدت میں ان کے دلوں کو ایسی کشا پیش ہوئی کہ کہیں اور مدتِ مدید میں ریاضت شاقّہ کے بعد بھی میسر نہیں آسکتی۔ آپ کی زندگی بہت سادہ تھی، توکل اور قناعت پسندی شعار تھا تزک و احتشام سے بے حد پرہیز فرماتے تھے۔ غذا کی مرغوبیت کی ضمن میں کسی غذا کی خصوصیت نہ تھی۔ غذا کی مقدار بہت ہی مختصر ہوتی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ آٹھ دس سال کی عمر میں بغرض تعلیم پٹنہ بھیج دیے گئے اور کئی سال بعد دہلی تشریف لے گئے۔ جہاں سے بیس سال کی عمر میں درس نظامیہ کی سند فراغت لے کر وطن واپس ہوئے۔ اور پھر بیس سالوں تک اپنے پدر

بزرگوار کی خدمت اور نورانی صحبت میں رہ کر بیعت، خرقۂ خلافت اور سند اجازت حاصل کی۔

۱۳۴۰ھ میں حضرت شاہ تاج الدین علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تو علما اور اولیا نے آپ کو زیب سجادہ بنایا۔ اور یہیں سے آپ کی وہ زندگی شروع ہوتی ہے جس کے لیے قدرت نے آپ کی تخلیق کی تھی یعنی رشد و ہدایت، بیعت و طریقت، تبلیغ و تلقین، تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف اور مباحثہ و مناظرہ جو کم و بیش تقریباً نصف صدی تک یکساں قائم رہا۔ جس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے مریدوں کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار تک پہنچتی ہے۔ مریدوں کی تعداد کے سلسلے میں یہ واقعہ لطف سے خالی نہ ہوگا کہ ایک مرتبہ عرس کے موقع پر کچھ مریدوں نے بیک زبان ہوکر کہا حضور ایک بار ہندو پاک (چوں کہ غیر منقسم ہندوستان کے بہت کم صوبے ایسے ہوں گے جہاں آپ کے مرید نہ ہوں) کے سارے بھائیوں کو عرس میں حاضر ہونے کا حکم فرمائیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تمھارے سارے بھائی عرس میں بلائے جائیں تو اس چھوٹی سی بستی پنڈ میں بیٹھنا تو کیا معنی ان کے کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہ مل سکے گی۔ اگرچہ فراغت کے بعد اور وصال سے لگ بھگ تین سال پہلے تک تحریر و تقریر اور مطالعۂ کتب کا سلسلہ قائم رہا۔ مگر چوں کہ کئی امراض نے مولانا کے جسم کو اپنی آماجگاہ بنالیا تھا۔ اس لیے جلسوں کی برکت نہیں کے برابر ہوگئی۔ مگر تحریر و مطالعہ کا ذوق علیٰ حالہٖ قائم رہا۔ اور جلسوں میں شرکت کی تلافی اس طرح ہوتی رہی کہ جہاں ایک سے دو مرید یا احباب یکجا ہوئے تو پھر رموز و نکات کی عقدہ کشائی کا دریا بہتا رہتا۔

چوں کہ آپ کو تصوف و معرفت کی تعلیم اور رموز و نکات کی عقدہ کشائی ورثہ میں ملی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مطالعہ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ دائرۂ شریعت میں محدود شعر و شاعری سے بے گانہ رہتے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا خوش بیان واعظ اردو فارسی کے اچھے شاعر، اور بلند پایہ مصنف اور مؤلف ہیں۔ ان کے حواشی اور حوالہ جات ان کی کثرتِ مطالعہ اور استنباطِ مسائل کا پتا دیتے ہیں۔ اردو زبان میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں مطبوعہ ہیں۔

۱۔ کشف القناع عن حکم السماع
۲۔ لمعات قمریہ (تصور شیخ اور بعض اعمال شیخ پر مدلل و محققانہ رسالہ)
۳۔ ضیاءِ قمر (شب و روز کے وظائف کے علاوہ حیات اولیا اور شفاعت کا بیان)

۴. انوار قمر معروف بہ حذب البحر (مشہور دعا کے فوائد سے متعلق تحقیقی مضامین)
۵. تجلیاتِ قمر
۶. قمرالہدایہ
۷. وجد قمر
۸. معمولاتِ قمر

آپ کا انداز بیان سلجھا ہوا، سادہ، مدلل اور محققانہ ہے۔ اس دور پر فتن میں نام نہاد علما، عقائد و مسائل سے متعلق سوالات کا حل مکارانہ توضیح اور خود ساختہ تفسیر و تشریح کے ذریعہ جماعتی عصبیت کے تحت پیش کرتے ہیں ایسے حالات میں ایک عامی کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور کیا ہے۔ ان حالات میں حضرت موصوف کی اپنے مریدین کی رہنمائی و تسکینِ قلب کے لیے بے حد معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ آپ ایک جیّد عالم دین تھے۔ بحث مباحثہ میں مخالفین کو قائل کر دیتے اور صحیح بات منوا کر چھوڑتے۔

اب ذرا آپ اور ان کے اسلوب نگارش "قمر الحج" کی دو تقریظوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)۔ تقریظ ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"حضرت واعظ خوش بیان مقرر شیریں زبان جامع معقول و منقول حاوی فروغ و اصول، ہادیِ شریعت، رہبر طریقت مولانا مولوی حاجی سید شاہ قمر الہدیٰ صاحب قمر سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ شاکریہ پنڈ شریف صاحب تصنیفات کثیرہ و تالیفات شہیرہ ہیں۔ ان کی سب کتابیں دینیات کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کتابوں کو منگوا کر ان سے دینی فائدہ اٹھائیں۔ خصوصاً کتاب "القمر الحج" کہ قسم بامسمیٰ ہے، ہر مسلمان حج کرنے والے کو رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس میں نہایت ہی سلیس اور صاف عبارت میں مسائل حج و زیارت مختصر اور واضح طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔"

(۲)۔ تقریظ مولانا قطب الدین محمد عبد الوالی فرنگی محلی جانشین حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی۔

"فقیر نے جناب مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ دامت برکاتہم کا رسالہ "القمر الحج" کا مطالعہ کیا

ماشاءاللہ بہت خوب ہے۔ مسائل حج وزیارت پر حاوی، جامع ومانع ہے۔معتبر کتابوں کا مسائل حج میں ایک مجموعہ ہے جس والہانہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ خداوند کریم ہر مسلمان میں وہی انداز پیدا کرے۔فقیر کی دعا ہے کہ اہل اسلام کو اللہ جل شانہ زائد سے زائد اس سے فائدہ پہنچائے۔مسلمانوں کو اور خاص کر شائقینِ حج وزیارت کو چاہیے کہ رسالہ ہٰذا سے ضرور مستفیض ہوں۔"

متذکرہ بالا تقاریظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت سید شاہ قمر الہدیٰ ایک بلند پایہ عالم، صاحب عرفان بزرگ اور محقق اہل قلم تھے۔ان کی باطل شکن، ایمان افروز اور آخرت ساز تحریر مریدین، متوسلین اور عامۃ المسلمین کے لیے مشعل راہ ہے۔

۲۹؍ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ /۲۶؍ جنوری ۱۹۶۶ء جمعہ کو نصف شب میں آپ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

(سجادگانِ پنڈ شریف، ص:۴۹ — ۵۳، ملخصًا)

کچھ کتاب کے بارے میں:

زیرِ نظر کتاب "قمر الہدایہ فی البیعۃ الولایہ" رہ روانِ راہِ تصوف کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔کتاب میں سولہ باب ہیں:

پہلا باب: باطنی کمالات کے ثبوت میں ہے اس میں حدیثِ جبریل پیش کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ مذہب اسلام میں عقائد واعمال کے علاوہ ایک درجہ "احسان" کا بھی ہے، اور اس درجہ تک رسائی کے بغیر باطنی کمالات حاصل نہیں ہوتے، اخیر میں لکھتے ہیں:

"بقول شخصے اول مجاہدہ، بعدہٗ مراقبہ، بعدہٗ مرابطہ، بعدہٗ مشاہدہ الغرض بے طلب و تلاش و جستجو کے کامیابی کا سہرا سر نہیں چڑھتا ہے۔

"طلب آں ست کہ در راہِ طلب جاں بدہد — ایں نگوید کہ بمقصود رسم یا نرسم
باہم او را تا نیابم جستجوئے می کنم — حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم"

دوسرا باب: اجتہادِ طریقت کے ثبوت میں ہے۔اس میں یہ دکھایا ہے کہ جس طرح شریعت کا گہرا علم رکھنے والے اجتہاد کے جامع علما قرآن و حدیث کے نصوص میں اجتہاد کر کے احکامِ شریعت کا استخراج کرتے ہیں، اسی طرح طریقت کا گہرا علم رکھنے والے عُرفاے ربانی اپنے

اجتہاد سے طریقت کے مسائل واحکام نکالتے ہیں۔اس باب کے آخر میں فرماتے ہیں:

"توجس طرح فقہائے کرام مسائل کو کہیں عبارۃ النص سے، کہیں دلالۃ النص سے، کہیں اشارۃ النص سے اور کہیں اقتضاء النص سے ثابت کرتے ہیں، اسی طرح صوفیۂ کرام نے بیعت و رسوماتِ بیعت کو ثابت فرمایا ہے۔اہلِ فہم کے نزدیک اولیائے طریقت ومشائخِ عظام کے ہر مسئلے کا ثبوت عبارۃ النص سے طلب کرنا اصولِ فقہ سے لاعلمی کی بیّن دلیل ہے۔"

تیسرا باب: ولایتِ صغریٰ وکبریٰ کے ثبوت میں ہے۔اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں: ایک عام اور ایک خاص۔ولایتِ عامہ تو ہر مومن کلمہ گو کو حاصل ہے، اور ولایت خاصہ کے لیے تقویٰ سے آراستہ ہونا ضروری ہے جو صحیح معنوں میں مرتبۂ احسان پر فائز ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔علمائے شریعت ولایتِ عامّہ کے مبلغ ہیں اور عرفائے طریقت ولایتِ خاصہ پر زور دیتے ہیں، اور دونوں گروہوں کا ظاہری اختلاف امتِ مسلمہ کے لیے سامانِ رحمت ہے۔

چوتھا باب: طریقۂ بیعت کے ثبوت میں ہے۔جس میں یہ دکھایا ہے کہ بیعتِ طریقت آیاتِ قرآنیہ سے بھی ثابت ہے اور احادیث نبویہ سے بھی۔

پانچواں باب: بیعت کے مختلف طریقوں کے ثبوت میں ہے۔اس میں یہ لکھا ہے کہ بیعت اور اس کے مختلف طریقے صحاح ستّہ کی احادیث میں موجود ہیں۔یہ بیعت کبھی جہاد کے لیے ہوتی، کبھی اقامت اسلام کے لیے، کبھی معرکۂ کفار میں ثابت قدم رہنے پر، اور کبھی سنتِ نبوی کے بجالانے پر ہوتی تھی، اور ان میں سب سے اہم بیعت وہ ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک درخت کے نیچے ہوئی جسے "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے۔

چھٹا باب: بیعت کے حقیقی معنیٰ کے ثبوت میں ہے۔اس باب کا اختتام مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درج ذیل اشعار پر ہوتا ہے:

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد — او ز غولاں گم رہ و در چاہ شد

گر نباشد سایۂ پیر، اے فضول — پس ترا سرگشتہ دارد بانگِ غول

باقی ابواب کے مضامین کچھ اس طرح ہیں:

ساتواں باب: منکرینِ بیعت کے اعتراضوں کے جواب میں۔
آٹھواں باب: اس بارے میں کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے عالم کی ضرورت ہے۔
نواں باب: ان لوگوں کے جواب میں ہے جو کہتے ہیں کہ مرید کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔
دسواں باب: فوائد بیعت کے بیان میں۔
گیارہواں باب: ان لوگوں کے جواب میں ہے جن کا کہنا ہے کہ شیخ کامل نہیں ملتا۔
بارہواں باب: شیخ کامل کی پہچان کے بیان میں۔
تیرہواں باب: مرشدینِ طریقت کے آداب کے بیان میں۔
چودہواں باب: مریدوں کے آداب کے بیان میں۔
پندرہواں باب: سلسلۂ محمدیہ کی تحقیق کے بارے میں۔
سولہواں باب: قبر میں شجرۂ طریعت رکھنے کے جواز کے بارے میں۔
اس باب کے آخر میں لکھتے ہیں:

”ہمارے مخدوم الملک حضرت شاہ شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ اگر کسی کو کوئی دینی یا دنیوی دشواری پیش آئے تو اس کو چاہیے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرے اور اپنے پیرانِ سلسلہ کا شجرہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں ان کے وسیلے سے یہ دعا کرے کہ ”اے خدا! ان ارواحِ طیبات کی برکت سے مجھ کو فتح یاب بنا، اور مشکلیں اور آفتیں دور فرما۔“ تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا، مشکلیں آسان اور آفتیں دور فرمادیتا ہے۔“

یہ کتاب ۱۳۷۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس کی تصنیف کو ساٹھ سال گزر چکے ہیں، اس کتاب کی زبان اپنے دور کے لحاظ سے بہت عمدہ سلیس اور فصیح و بلیغ ہے، مگر ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر بیس پچیس سال کے بعد لاشعوری طور پر زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور نمایاں ہوتی ہیں، کچھ قدیم الفاظ کو دیس نکالا ملتا ہے اور ان کی جگہ جدید الفاظ کو شہریت ملتی ہے۔ یہ تبدیلی مفردات میں بھی ہوتی ہے اور مرکبات میں بھی۔ یہ کتاب ۱۳۷۵ھ کی تصنیف ہے، اس لحاظ سے وہ الفاظ و مفردات جو اس زمانے میں فصیح و بلیغ سمجھے جاتے تھے اس دور کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جامہ اتار چکے ہیں، الفاظ کی نشست و برخاست، استعمال میں

تقدم و تاخر اور الفاظ کے زیر و بم میں بھی گوناگوں تبدیلیاں آچکی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے اس زبان کے لسانی پایہ اور ادبی قیمت میں کمی نہیں آئی، کیوں کہ ہر تحریر کی ادبی قدر و قیمت اس دور کے ادبی و لسانی معیار کے لحاظ سے ہوتی ہے، مگر زمانہ کی تبدیلی سے بعد کے ادوار کے قارئین تک معنیٰ و مفہوم کی ترسیل کی قوت اور تاثیر ضرور متاثر ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا ذوق اپنے دور کے ادبی محاسن سے آشنا اور انھیں کا خوگر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے دور کی ادبی کسوٹی پر پوری اترنے والی تحریروں کے پڑھنے میں جو مزہ آتا ہے وہ مزہ اس وصف سے خالی تحریروں کے پڑھنے میں نہیں آتا، اور استدلال کی جو قوت اور معنیٰ کی جو تاثیر وہ اپنے زمانے کی عمدہ اور معیاری تحریروں میں محسوس کرتے ہیں دوسرے ادوار کی تحریروں میں انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ املا اور رسم الخط کے اصول و ضوابط بھی کچھ نہ کچھ بدلتے ہیں۔ اس لیے اب ضرورت تھی کہ اس کتاب کی زبان بھی ممکنہ حد تک عصر حاضر کے معیار کے مطابق کی جائے اور اس کی کتابت اور کمپوزنگ میں بھی موجودہ دور کے اصول املا اور قواعد رسم الخط کا لحاظ کیا جائے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اِس جدید ایڈیشن میں ان ساری باتوں کی رعایت کر لی گئی ہے۔ زبان کی تبدیلی کا کام جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے موقر استاذ حضرت مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی نے کیا ہے۔

ترتیب جدید میں کیا کام ہوئے:

اس کتاب کی ترتیبِ جدید میں درج ذیل کام ہوئے:

- کتاب میں جن قرآنی آیات کا ترجمہ نہیں تھا، ان کا ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" سے حاشیے میں بڑھا دیا گیا۔
- آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور عباراتِ کتب کا اصل سے مقابلہ کیا گیا اور نیچے حاشیے میں ان کی تخریج کر دی گئی۔

یہ دونوں کام مولانا فیاض احمد بلیاوی مصباحی اور مولانا رضاء المصطفیٰ بستوی مصباحی نے انجام دیے۔

- آخر میں مصادر و مراجع کی ایک فہرست بھی دے دی گئی ہے جو مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی نے تیار کی ہے۔

- کتاب کی ترتیبِ جدید کا کام حضرت مولانا سید فیضان الہدیٰ قادری مصباحی زید مجدہ، ولی عہد خانقاہ شاکریہ قمریہ احسنیہ پنڈ شریف نے کیا ہے جس میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر باب نئے صفحے سے شروع ہو اور کتاب کو خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔
- کتاب کی کمپوزنگ مہتاب پیامی صاحب کی ہے جس میں ممکنہ حد تک رسم الخط اور املا کے جدید اصول و قواعد کا لحاظ کیا ہے۔

کتاب آج ہی پریس جانے کو تیار ہے، عجلت میں جو باتیں ذہن میں آئیں سپردِ قرطاس کردی گئیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائے، مصنف کو اجرِ جزیل عطا فرمائے، اور مذکورہ بالا تمامی حضرات کو بھی اپنی رحمتوں اور برکتوں سے شاد کام فرمائے۔ اور اس کتاب کو مقبولِ انام بنانے کے ساتھ ہی مجھ حقیر کو بھی اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نفیس احمد مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)
مورخہ ۶/ ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ / ۷/ فروری ۲۰۱۴ء بروز جمعہ

منقبت

درشان حضرت تاج الدین شاکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کعبۂ عاشقاں ہیں تاج الدین راحتِ جسم وجاں ہیں تاج الدین
سرورِ سالکاں ہیں تاج الدین دستگیرِ جہاں ہیں تاج الدین
آج ہے عید ہم غلاموں کی درفشاں درفشاں ہیں تاج الدین
ہے نہیں خوفِ گرمیِ محشر رحمتِ عاصیاں ہیں تاج الدین
زاہدو! چشمِ دل سے آ دیکھو معرفت کے مکاں ہیں تاج الدین
نحن واقرب سے ہم نے یہ سمجھا میری روحِ رواں ہیں تاج الدین
کیوں نہ ہو شیفتہ تو اے ذاکرؔ
بوالعلا کے نشاں ہیں تاج الدین

کاوش:
حضرت سید شاہ محمد فاروق قادری ابوالعلائی علیہ الرحمہ بنگلہ دیش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ مصنف

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

بہ آں ساقی چو من یارانہ کردم بہ یک ساگر خرد نذرانہ کردم
چو فرش و عرش را مستانہ کردم خوشا رندی کہ باجانانہ کردم
من از پیرِ مغاں بیعت نمودم زمسجد رخ سوے مے خانہ کردم
شبِ وعدہ چو آمد شمعِ رخسار دلِ مشتاق را پروانہ کردم
ہمہ جا یافتم نورِ قمر را
چو سیرِ کعبہ و بت خانہ کردم

امابعد! احقرالوریٰ سید شاہ قمرالہدیٰ قادری ابوالعلائی مشرباً: پنڈی مونگیری موطناً: ابن فخر المتاخرین حضرت فیض درجت جناب سید شاہ تاج الدین شاکرؔ قدس سرہ، عزیزان و برادرانِ طریقت سے عرض رسا ہے کہ میں سیر وسیاحت کا شائق ہوں، یا یہ فرمائیں کہ میری قسمت میں ہے کہ شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ ٹھوکریں کھاتا پھروں:

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

سچ ہے وہ ذاتِ حق (جل جلالہ) جس طرح چاہے رکھے۔ حضرت مولاے کائنات سیدنا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا ہے: ''عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ.'' یعنی رب کو پہچانا میں نے اس طرح کہ میں جو چاہتا ہوں نہیں ہوتا ہے اور اللہ (جل جلالہ) جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ میرا ارادہ کچھ بھی نہیں ہے، اصل ارادہ حق (جل جلالہ) کا ہے۔ چوں کہ میں سیاح ہوں، سیاحت میں اکثر و بیش تر سلسلہ یعنی ثبوت بیعت اور بیعت کی اہمیت اور اس کے متعلق من و عن باتوں کو ملنے والے حضرات دریافت فرماتے رہتے ہیں۔ ایک دن یک بہ یک خیال ہوا کہ ایک

چھوٹا سار سالہ مکمل ثبوتِ بیعت میں لکھوں۔ چناں چہ ۵ / ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کو بہ توفیق الٰہی قلم اٹھایا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ وَعمّ نوالُہٗ اس رسالہ کو جامع رسالہ بنائے اور حسن وخوبی سے انجام فرما کے مقبولِ خلائق فرمائے تاکہ یہ رسالہ میرے لیے نجات کا ذریعہ ہو جائے۔ آمین یارب العالمین۔

فہرست ابواب حسب ذیل ہے:

پہلا باب: باطنی کمالات کے ثبوت میں۔ **دوسرا باب:** اجتہادِ طریقت کے ثبوت میں۔ **تیسرا باب:** ولایتِ صغریٰ وکبریٰ کے ثبوت میں۔ **چوتھا باب:** بیعت طریقت کے ثبوت میں۔ **پانچواں باب:** بیعت کے مختلف طریقوں کے ثبوت میں۔ **چھٹا باب:** بیعت کے حقیقی معنیٰ کے ثبوت میں۔ **ساتواں باب:** منکرینِ بیعت کے اعتراضات کے جواب میں۔ **آٹھواں باب:** قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے عالم کی ضرورت کے ثبوت میں۔ **نواں باب:** بعض کہتے ہیں کہ مرید ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، اس کے جواب میں۔ **دسواں باب:** فوائد بیعت کے ثبوت میں۔ **گیارہواں باب:** بعض کہتے ہیں کہ شیخ کامل نہیں ملتا ہے، اس کے جواب و ثبوت میں۔ **بارہواں باب:** شیخ کامل کی پہچان میں۔ **تیرہواں باب:** مرشدوں کے آداب میں۔ **چودھواں باب:** مریدوں کے آداب میں۔ **پندرہواں باب:** سلسلہ محمدیہ کی تحقیق میں۔ **سولہواں باب:** شجرہ شریف قبر میں رکھنے کے جواز میں۔

برادران وعزیزانِ من! اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری محبت و نسبت و ارادت قلبی کا سلسلہ بہ توسط حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ تک منتہی ہوتا ہے۔

رباعی

مٹ کر دیکھا میں نے ہستی میں ۔۔۔ یہ صدا ہے وفورِ مستی میں
اے قمرؔ ہے جدا مری منزل ۔۔۔ رونما ہوں بلند و پستی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول
باطنی کمالات کے ثبوت میں

انسان کے کمالات پر غور کرو تو عقل متحیر ہو جاتی ہے۔ سطحِ زمین پر بیٹھا ہوا قعر[۱] دریا کی پیداوار بر آمد کرتا ہے اور ان سے متمتّع ہوتا ہے۔ زمین کے خزانے کھود کھود کر نکالتا ہے۔ کیسے کیسے قوی مہیب اور خوں خوار جانوروں کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا لیتا ہے۔ قدرت کے مختلف مخلوق کو تسخیر کر کے ان سے اپنا کام چلاتا ہے۔ رحم دل بھی ہے، غضب ناک بھی۔ یہ سب کچھ محض اس عالمِ ملکوت کی چڑیا کے کرشمے ہیں جو قفسِ خاکی میں مقید ہے۔ چوں کہ اصل ذات ﷻ خالق بھی ہے، صانع بھی ہے اور صاحبِ جمال و جلال بھی ہے۔ ذرۂ روح میں بھی ان ہی خصائص کا پر تو آیا۔

حضرت انسان کی بابت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً .''[۲]

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر روز مرہ کے واقعات میں پائی جاتی ہے۔ انسان کی قوتوں کا ذرا اندازہ کرو کہ بیعت کی ذرا سی قوت سے دوسروں کو بے ہوش کر دیتا ہے۔ خدا نے انسان میں بڑی بڑی قوتیں پوشیدہ رکھی ہیں اور ایسے بڑے بڑے کام انجام دینے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔

الغرض انسان کے انسانی ظاہری کمالات بہ ظاہر یہ ہیں کہ اپنے آپ کو شرع شریف کا

---

(۱)- قعر = گہرائی

(۲)- القرآن کریم آیت: ۳۰، البقرۃ: ۲- ترجمہ: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔[کنز الایمان]

پابند بنائے اور جس طرح انسان کے اندر ظاہری کمالات ہوتے ہیں، باطنی کمالات بھی ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اجنبی شخص بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز کا پڑھنا اور زکاۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بہ شرط قدرت حج کرنا اس کا نام اسلام ہے۔ مرد اجنبی نے کہا: آپ نے درست فرمایا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو دربارِ نبی میں حاضر تھے، متعجّب ہوئے کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ بعدہٗ ایمان کے متعلق پوچھا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا اور فرشتے اور کتابوں اور انبیا و قیامت کے دن پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے، اور اس پر یقین رکھنا کہ تمام خیر و شر خدا کی جانب سے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس نے سوال کیا: اچھا یہ تو فرمائیں کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

”اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ.“ (۱)

خداوند کریم کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اس کے بعد پوچھا قیامت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اس کے متعلق تم سے زیادہ نہیں جانتا ہوں۔ بعدہ اس نے پوچھا کہ قیامت کی علامات ہی بتا دیجیے۔ تو آپ نے اس کو چند علامتیں بتلا دیں۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا:

”فانه جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُم يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ.“ (۲)

یہ جبرئیل ہیں۔ یہ تمھارے پاس آئے ہیں تاکہ تم کو تمھارا دین سکھا دیں۔

اس حدیث سے صاف صاف یہ معلوم ہوا کہ عقائد و اعمال کے سوا اور بھی کچھ ہے جس کا نام احسان ہے۔ اور احسان کی جو تعریف بتائی گئی ہے اس تعریف سے رویتِ الٰہی کے مراقبے کا طریقہ ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح اپنے فہم کے مطابق ”مواعظ قمر“ میں (جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہے) کر

---

(۱)- صحيح لمسلم، كتاب الإيمان، ج: ۱، ص: ۲۷.

(۲)- المرجع السابق۔

چکاہوں۔اس کتاب میں اتناعرض کیے دیتاہوں کہ جوشخص اس مراقبہ میں انوار الٰہی سے مکیف ہوتا ہے،وہ ولی اللہ ہے اور یہی مقامِ احسان مقامِ ولایتِ ضدی ہے۔جب تک سالکِ راہِ طریقت اس مقام کو نہ پہنچے باطنی کمالات پیدانہیں ہوتے۔پس احسان (جس کا دوسرانام علمِ باطن ہے) یہی ہے۔طالب طلب میں لگارہے۔بقول شخصے :اول مجاہدہ بعدۂ مراقبہ، بعدۂ مرابطہ، بعدۂ مشاہدہ۔ الغرض بے طلب و تلاش وجستجو کے کامیابی کاسہراسرنہیں چڑھتاہے:

طالب آن است کہ در راہ طالب جاں دہد　　ایں نگوید کہ بہ مقصود رسد یا نہ رسد
باہم او را تا نیابم جستجوئے می کند　　حاصل آید یا نہ آید از روئے می کند

محبانِ من !ارشادِ خداوندی ہوتاہے:

''قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا.''(۱)

یعنی:حکم ہواکہ ''عرض کروکہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔'' [کنزالایمان]

حضرت باقی باللہ قدس سرہ نے خوب فرمایاہے:

در راہِ خداجملہ ادب باید بود　　تاجاں باقی ست درطلب باید بود
دریادریااگر بقامت ریزند　　کم باید کرد خشک لب باید بود

یعنی راہِ خدامیں مودب رہے اور جب تک جان باقی ہے طلب میں رہے۔دریاکے دریا اگرتیرے حلق میں ڈال دیں تواس کوبھی کچھ نہیں سمجھناچاہیے اور خشک لب رہناچاہیے۔

(۱)- آیت: ۱۱۴، طٰہٰ: ۲۰.

دوسرا باب
اجتہاد طریقت کے ثبوت میں

برادرانِ من! اجتہاد کو علماے شریعت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ علماے طریقت مرتبۂ اجتہاد میں علماے شریعت کے برابر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ «مرج البحرین» میں فرماتے ہیں کہ:

"ایں طائفۂ صوفیہ را اوضاع و آداب و اصطلاحات مخصوصہ اند ہم چنیں بناے ربط و الباس خرقہ و اجراے مقراض و کیفیات ذکر و اتحاد و خلوت و اجتماع سماع و مانند آن و ایشاں را دراں جا اجتہادات و استنباطات ست ہم چناں کہ علماے فقہ را و این قسم از ابواب علم کہ دراں جا بحث از صحت اجتہاد و شرائط آں در تحقیق سنت و بدعت رود صوفی و فقیہ دراں جا برابر ست و ہر دو بوجود اصل ایں ادلۂ اربعہ و صحت دلیل مطالب اند۔"

اور جناب فیض مآب علامہ شاہ محی الدین نوری قدس سرہ «فصل الخطاب» میں فرماتے ہیں کہ

"باید دانست کہ اجتہاد بہ علماے فقیہ خصوصیت ندارد دو عرفا نیز در اجتہاد بہ فقہا شریک اند، و لذلک فیہ تصوف علمیست در علوم دیں بلکہ خلاصۂ علم دیں است کہ بہ اجتہاد و استنباط مجتہدان باطن مستنبط گشتہ و آں را علم باطن گویند۔"

مولوی اسماعیل دہلوی نے بھی صراطِ مستقیم میں لکھا ہے:

"اولیاے کبار را از اصحاب طرق و امامت در حق باطن شریعت حاصل گردد و اجتہاد در اصلاح قلب کہ خلاصۂ دینِ متین ست بہم رسانیدہ بودند۔"

تحریرات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام و مشائخ عظام فن طریقت میں پایۂ اجتہاد رکھتے ہیں اور مجتہدانِ شریعت کی مانند ہیں۔ مجتہدان شریعت نے استنباط احکام اور ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیاے طریقت نے باطنِ شریعت کی تحصیل (جس کو طریقت کہتے ہیں) کے قواعد مقرر کیے تو اولیاء اللہ کے قواعد مقررہ کو خلاف شرع کہنا سراسر غلط ہے۔ پس جس

طرح فقہاے کرام کہیں مسائل کو عبارۃ النص سے اور کہیں دلالۃ النص سے اور کہیں اشارۃ النص سے اور کہیں اقتضاء النص سے ثابت کرتے ہیں اسی طرح صوفیاے کرام نے بیعت و رسوماتِ بیعت کو ثابت فرمایا ہے۔ اہل فہم کے نزدیک اولیاے طریقت و مشائخ عظام کے ہر مسئلہ کو عبارۃ النص سے طلب کرنا اصولِ فقہ سے لاعلمی کی بیّن دلیل ہے۔

تیسرا باب
ولایتِ صغریٰ وکبریٰ کے ثبوت میں

ولایت دو قسم کی ہے۔ ایک عام اور ایک خاص۔ ولایتِ عامہ ہر مومن کلمہ گو کو حاصل ہے جیسا کہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

”اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا“(۱)

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔

لیکن ایمانِ کامل کے لیے تقویٰ شرط ہے اور تقویٰ کا تعلق نہ صرف جوارح سے ہے کہ صرف ظاہری نماز و روزہ کافی ہو جائے بلکہ تقویٰ اصلاحِ باطن کے بغیر محال ہے، جب کہ تقویٰ ایمانِ کامل کے لیے فرض ہوا، تو یہ موقوف ہے اصلاحِ باطن پر۔ اس لیے اصلاحِ باطن بھی فرض ہوا اور یہی راہ احسان ہے جو مقصودِ اصل ذاتِ حق ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ظاہری پہلو کی رعایت کرنی شریعت ہے اور باطنی پہلو کی رعایت طریقت ہے، یا اس طرح کہا جائے کہ جسمی بناؤ سنگار شریعت ہے اور روحی بناؤ سنگار طریقت ہے۔

اصلاحِ باطن کی مجملاً تفسیر یہ ہے: دل اور ارادے کو ذاتِ حق کے ساتھ رکھنا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا:

”إِنَّ اللّٰهُ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ بَلْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ و أَعْمَالِكُمْ.“(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ دلوں اور

---

(۱)- القرآن الکریم، آیت: ۲۵۷، البقرۃ: ۲. ترجمہ: اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔ [کنز الایمان]

(۲)- صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب: تحریم ظلم المسلم و خذله و احتقاره ودمه، ج: ۲، ص: ۳۱۷.

تمھارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.''(۱)

یعنی عملوں کا ثواب موقوف ہے نیتوں پر، جیسی نیت ویسا حکم اور ثواب ہوتا ہے۔

عزیزانِ من! جتنے سلسلے رائج ہیں، وہ سب بطونی پہلو کے گرویدہ ہیں۔ علما جسمی بناؤ سنگار میں لگے رہتے ہیں اور فقرا باطنی بناؤ سنگار میں ہمہ وقت رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماے ظاہر اور علماے باطن میں کچھ اختلاف رہتا ہے اور یہ اختلاف تا قیامت رہے گا۔ اور اس قسم کے اختلاف کو مدنی سرکار نے رحمت فرمایا ہے۔ غالبًا اِس لیے کہ کوئی جماعت ولایتِ عامّہ کی مبلغ ہے اور کوئی جماعت ولایتِ خاصہ کی رہبر ہے۔ مضیٰ ما مضیٰ.

عزیزانِ من! عادتِ الٰہیہ یوں ہی جاری و ساری ہے کہ کوئی کمالِ مقصود بغیر استاذ کے حاصل نہیں ہوتا ہے تو جب اس راہ میں آنے کی توفیقِ رفیق ہو تو استاذ راہ احسان یعنی راہِ طریقت کو ضرور تلاش کرنا چاہیے تاکہ فیض صحبت سے مقصود تک پہنچے:

گر ہوائے ایں سفر داری دلا! — دامنِ رہبر بگیر د بس بیا!
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق — عمر بگذشت او نہ شد آگاہِ عشق

در ارادت باش صادق اے فرید
تا بیابی گنجِ عرفاں را کلید

(۱)- مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص:۱۱.

چوتھا باب
بیعت طریقت کے ثبوت میں

بیعتِ طریقت کو علماے ظاہر کے اصول پر مسنون ہی کہا جائے گا لیکن اس کے ارکان و آداب کے متعلق علماے ظاہر نے کچھ نہیں لکھا ہے کہ آیا واجب ہے یا سنت؟ اہلِ علم کو غور کرنا چاہیے۔ لیکن علماے تحقیق کے نزدیک بیعت کے اندر ایک بڑی اہمیت ہویدا ہے۔ اگر واجب کہا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ بیعتِ طریقت کلامِ خدا سے ثابت، کلامِ رسول ﷺ سے ثابت اور ظاہر ہے کہ رسول ﷺ کا کلام، کلامِ خدا ہے:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝''(۱)

''يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ''(۲)

جب کلامِ خدا موجود ہے اور رسول ﷺ کا فعل و حکمِ عام موجود ہے۔ لہٰذا دونوں حکم سے بیعت ثابت ہوتی ہے۔ غالباً اسی واسطے اللہ والوں نے بیعت کرنے کو واجب فرمایا ہے۔ اتنا ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ بیعت واجب و سنت دونوں درجہ رکھتی ہے۔ اور سنت ہونے کو عام علما نے تسلیم فرما لیا ہے۔ اس بستی کے بسنے والوں میں اگر کوئی مخالف ہے تو فرقۂ معتزلہ ہے۔ کیوں کہ اس فرقہ نے شفاعتِ انبیا و اولیا سے انکار کیا ہے۔ اور مسئلہ ہے کہ شفاعتِ انبیا و اولیا سے انکار کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

«عقائد نسفیہ» میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اور نیک لوگوں کے لیے اہل کبائر کے حق میں شفاعت کرنا مشہور احادیث سے ثابت ہے۔(۳)

---

(۱)- القرآن الکریم، آیت:۳، ٤. النجم:٥٣

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کو کی جاتی ہے۔[کنزالایمان]

(۲)- القرآن الکریم، آیت: ۱۰. الفتح:٤٨

ترجمہ: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔[کنزالایمان]

(۳)- شرح العقائد، بحث الشفاعة، ص:۱۲۲.

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے «کتاب الوصیۃ» میں فرمایا ہے کہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی شفاعت ہر اس شخص کے لیے حق وثابت ہے جو اہلِ جنت میں سے ہو، اگرچہ صاحبِ کبیرہ ہو۔ مسئلہ شفاعت قطعی ہے، شفاعت سے متعلق بہ کثرت آیات اور حدیثیں ہیں۔

فرقہ معتزلہ شفاعت کا منکر ضرور ہے مگر اتنا مانتا ہے کہ مومنین کے رفع درجات کے لیے شفاعت ہوگی، مگر ان کے ہندوستانی چیلے وہابی ونیم وہابی نے شاگردی تو اس میں کی مگر استاد سے بڑھ گئے کہ شفاعت ہی کو سرے سے جھٹلا دیا۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو اس عقیدہ کو شرک ٹھہرایا۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول مدنی ﷺ سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ "شفاعت میری امت کے اہلِ کبائر کے حق میں ہے۔"(۱)

حدیث: "عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ كَذَّبَ بِالشَّفَاعَةِ فَلَا نَصِيْبَ لَهُ فِيْهَا." (۲)

یعنی جس شخص نے شفاعت کی تکذیب کی اور اس کو جھٹلایا، شفاعت میں اس کا حصہ نہیں ہے۔

میرے عزیزو! اس میں شک نہیں ہے کہ بیعت کے مختلف انداز ہیں جس کا تذکرہ آگیا۔ بیعت طریقت کے خلافت سے مشابہ ہونے کی وجہ سے سلف نے صحبت ہی پر اکتفا کیا تھا، پھر خرقہ کی رسم بجائے بیعت کے جاری ہوئی۔ جب وہ رسم خلفا میں نہ رہی تو صوفیہ نے بیعتِ طریقت کو جو سنت مُردہ ہوگئی تھی، پھر زندہ کیا۔ اس مُردہ سنت کو زندہ کرنے والوں کا لقب صوفی ہوگیا۔ ابتدا میں اللہ والوں کا لقب صحابہ سے بڑھ کر نہیں تھا، اس لیے صوفی کا لقب نہ ملا۔ خیر القرون کے بعد امتیاز پیدا کرنے کے لیے عباد وزہاد کے لقب سے مشہور ہونے لگے۔ لیکن اس زمانہ کے اہلِ زیغ(۳) بھی اپنے کو عباد وزہاد کہنے لگے، پھر اہلِ حق نے امتیاز کے لیے صوفی کا لقب اختیار کیا اور دوسری صدی کے اندر اس لقب کی شہرت ہوگئی۔

---

(۱)- حدیث کے الفاظ یوں ہیں: شفاعتی لاهل الكبائر من امتی." سنن ابی داؤد، کتاب السنة/ باب فی الشفاعة، ج:۲، ص:۶۵۲.

(۲)- فتح الباری، پارہ:۲۸، ص:۱۹۰.

(۳)- زیغ: حق سے انحراف، ٹیڑھا ہونا۔

پانچواں باب
بیعت طریقت کے مختلف طریقوں کے ثبوت میں

بیعت اور اس کے مختلف طریقے سب صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ کبھی بیعتِ ہجرت فرماتے ہیں، کبھی بیعتِ جہاد ہوتی ہے، کبھی اقامت اسلام پر بیعت فرماتے، کبھی معرکۂ کفار میں ثابت رہنے پر بیعت فرماتے۔ بسااوقات سنتِ نبوی ﷺ کے بجالانے پر بیعت فرماتے۔ کسی وقت اس امر پر بیعت فرماتے کہ امرِ الٰہی کے بجالانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ گو ان تمام بیعتوں میں اہم ترین بیعت وہ ہے جو مقامِ حدیبیہ میں ایک شجر[۱] کے تلے ہوئی تھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے رضا کے ساتھ نزولِ سکینہ سے مبایعین کو مشرف

---

(۱) شجر درخت یہ وہ درخت تھا کہ جس کے نیچے نبی کریم ﷺ نے پندرہ سو مسلمانوں سے بیعت لی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس بیعت کی ادا ایسی پسند آئی کہ ارشاد ہوا: "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" (بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمھاری بیعت کررہے تھے، کنزالایمان) اس رضائے الٰہی کی وجہ سے اس کیکر کے درخت کا نام ہی شجرۃ الرضوان ہوگیا۔ نجدی المذہب کا مذہب ہے کہ اس درخت رضوان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کٹوایا۔ یہ بالکل بے سروپا افسانہ ہے۔

عزیزانِ من! صحیح بخاری میں باسناد صحیحہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت مصیب قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے مروی ہے کہ واقعہ کے بعد دوسرے سال ہم لوگوں میں سے کسی نے اس درخت کو نہ پایا۔

(بخاری جلد اول، ص:۴۱۵۱)

یوں ہی حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ درخت ایک مرحمت تھا جس کو اللہ نے چھپایا۔ (بخاری، ج:۲، ص:۵۹۹)

الفاظِ حدیث میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا جو عموم کو بتاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ عموماً اصحاب رسول ﷺ کی نظروں سے یہ درخت علی السبیل الیقین غائب ہوگیا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا کہ اگر میری بے باکی ہوتی تو میں اسی درخت کی جگہ کو بتا دیتا۔ یہ احتمال رکیک ہے۔ مکان شجر فرمایا نہ بعینہ شجر۔ پس حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں میں تعارض نہ رہا۔ اگر تعارض ہوتا بھی

فرمایا،لقولہٖ تعالیٰ:

''لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ''(۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ لوگوں نے سلمہ بن اکوع سے پوچھا:

''عَلیٰ أيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُبَایِعُوْنَ یَوْمَئِذٍ.''(۲)

کس بات پر تم لوگوں نے اس دن بیعت کی تھی؟

توانھوں نے جواب دیا''علی الموت'' جب تک زندگی رہے گی آپ کی اطاعت وفرماں

تو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو ترجیح و تقدیر ہوتی، علاوہ ازیں یہ بخاری کی روایت کے خلاف ہے۔اس درخت کا خفاو استتار محقق ہو چکا ہے۔

بات یہ ہے کہ نجدی علما نے یہ سند «طبقات ابن سعد»، ج:۲، ص:۲۱۷ سے لی ہے۔ حالاں کہ بخاری کے رواۃ ثقہ ہیں اور ابن سعد کی روایت میں عبد الوہاب، عبد اللہ بن عون اور حضرت نافع ہیں جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں۔ لیس عندہ بقوی اور «تہذیب التہذیب» میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ عبد الوہاب اکثر غلطی کرتے ہیں۔(ص:۲۴۱)

یہی وجوہات ہیں کہ امام بخاری و امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے کوئی روایت نہ کی۔ الغرض یہ اثر بہ قاعدہ محدثین منقطع ہے جو قابلِ اسناد نہیں۔ انقطاع اس وجہ سے بھی ہے کہ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہ پایا اور ان سے لقا اور نہ ہی ان سے روایت۔ بخاری میں نافع اس کے خلاف اپنے مولیٰ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ شارح موطا شیخ سلام اللہ حنفی لکھتے ہیں: ''اِنَّ الْحَدِیْثَ مُنْقَطِعٌ فَاِنَّ نَافِعًا لَمْ یُدْرِكَ عُمَرَ'' یوں ہی زرقانی، ج:۱، ص:۲۱، مصریہ میں ہے۔

پس صحیح بخاری کی صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قدرت نے درخت کو چھپا دیا، مگر ذریاتِ نجدیہ آثارِ انبیا و اولیا کے برباد کرنے کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا باللہ العظیم. حالاں کہ خود عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ آثارِ انبیا کی بقا و تعظیم کے خواہاں تھے۔ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱)- القرآن الکریم، آیت:۱۸، الفتح:۴۸۔

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمھاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا۔[کنز الایمان]

(۲)- صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب البیعة فی الحرب، ص: ٤١٥.

برداری سے منہ نہ موڑیں گے۔

اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بیعت ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ''(مُردہ بدست زندہ)والی بیعت ہے۔

اسی طرح یہ آیت:

'' اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ''(۱)

ترجمہ: جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں ٹھیک وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جو شخص عہد شکنی کرے گا تو اس کا خسارہ اور وبا، اس کے نفس اور جان پر ہے۔ اور جو معاہدۂ الٰہی پر قائم رہا اور اس کو پورا کیا تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اس آیتِ شریفہ کی شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ یہ بیعتِ جہاد تھی، اور اس کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ شانِ نزول خاص ہے، لیکن اصولِ فقہ کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ لفظ کے عام ہونے کا اعتبار ہے، جیسا کہ لکھا ہوا ہے:

''اِنَّ خُصُوْصَ السَّبَبِ لَا يَمْنَعُ عُمُوْمَ الْحُكْمِ.''

ترجمہ: جہاں پر سبب خاص ہے، حکم عام لیا جائے گا۔

پس جب کہ بیعت کے عموم کا اعتبار ہوا تو جمیعِ اقسام بیعت کو یہ حکم شامل ہے اور من جملہ اقسام کے ایک قسم بیعت طریقت و ارادت بھی ہے لہٰذا اس آیت سے بیعتِ ارادت بھی شامل ہوئی۔

اور اگر فقہ کے اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے تو شیرازۂ اسلام درہم برہم ہو جائے گا اور لاکھوں مسائلِ استنباطیہ دریابُرد ہو جائیں گے۔ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَهُ الْعِلْمُ. (جیسا کہ اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔)

---

(۱)- القرآن الکریم، آیت: ۱۰، الفتح: ٤٨.

اور چوں کہ یہ بیعت بحالتِ احرام ہوئی تھی اور اس میں ” مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ اَوْ مُقَصِّرِیْنَ “[1] وارد ہے۔ اور حضرت رسول مقبول ﷺ خود محلوق ہوئے اور حلق و قصر کا حکم فرمایا۔ اس لیے فی الجملہ مناسبت کے لحاظ سے بعض اکابر صوفیہ نے اس بیعت ارادت کے ساتھ محلوق ہونا اور موتراش کرانا (بال مونڈانا) اپنے معمولات سے قرار دیا تاکہ واقعہ پیشِ نظر رہے۔ اور بعض اکابر صوفیہ نے صرف تلقینِ توحید و رسالت و ترک معاصی اور احکام شرعی کی پابندی کے اقرار کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کافی سمجھا۔ علمائے حق اس آیت سے یہی بیعت طریقت ثابت کرتے ہیں۔

لقولہ تعالیٰ:

” یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ “[2]

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! متقی ہوجاؤ اور تلاش کرو خدا کی جناب میں وسیلہ اور جہاد کرو اللہ کے راستہ میں، اس اُمید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیتِ پاک سے کسی بزرگ کو خدا کی جناب میں وسیلہ بنانے اور خدا کی راہ میں مجاہدہ کرنے کے تمام مسائل حل ہوجاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمان جب مسلمان کہلاتا ہے تو کیا وہ پرہیزگار نہیں ہوتا ہے؟ اور اگر ہوتا ہے تو خداوند کریم کیوں فرمارہا ہے؟ کہ اے ایمان والو! متقی ہوجاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ محض مسلمان کہلائے جانے سے کوئی کام دینی برکتوں کا مستحق نہیں بن جاتا ہے۔ پابندیِ نماز و روزہ میں تو عذاب سے دوری اور جنت کی خوش خبری ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

” فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ “[3]

ترجمہ: جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل ہوا وہ ضرور فلاح کو پہنچا۔

یہ فلاح عام ہے اور فلاحِ خاص کا کیا کہنا ہے؟ یہ منتہائے نعمت و دولت کا خزینہ ہوجاتا

---

(۱)- القرآن الکریم، آیت: ۲۷، الفتح: ٤٨.

(۲)- القرآن الکریم، آیت: ۳۵، المائدۃ: ٥.

(۳)- القرآن الکریم، آیت: ۱۸۵، آلِ عمران: ۳.

ہے۔اللہ والوں کا یہی مقصود ہے۔یہاں عذاب کا کیا ذکر، کسی قسم کا اندیشہ وغم ان کے پاس نہیں آتا ہے۔لقولہ تعالیٰ:

''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (۱)

پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں فلاحِ خاص یعنی فلاح احسان ہے جسے راہِ طریقت کہتے ہیں۔اس کی دعوت ہے۔عالم اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کی حسنِ ترتیب ہی کہتی ہے کہ یہ فلاح احسان کی دعوت ہے اور اس کے لیے تقویٰ شرط ہے تو اولاً اس کا حکم ہوا، اب کہ تقویٰ پر قائم ہو کر راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور یہ عادۃً بے وسیلہ شیخ کے ناممکن ہے۔لہٰذا دوسری مرتبہ قبل سلوک تلاش پیر کو مقدم فرمایا'' وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ'' اس لیے کہ ''الرفیق ثم الطریق''پہلے ساتھی تلاش کرو پھر راستہ پکڑو۔اب پیر کا سامان ہو گیا، اصل مقصود کا حکم ہوا:'' جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ''(۲) اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ فلاح احسان پاؤ۔

اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ مراد وسیلہ سے یہاں پر ایمان ہے تو میں کہوں گا کہ یہاں پر خطاب اہل ایمان سے ہے اور جو ایمان لا چکا اس کو یہ کہنا کہ ایمان کو وسیلہ بناؤ عبث اور فضول ہے۔اسی طرح اگر کوئی صاحب وسیلہ سے مراد عمل صالح لیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کا ذکر ''وَاتَّقُوا اللّٰہَ''میں موجود ہے۔اس لیے کہ عمل صالح تقویٰ میں داخل ہے۔

علاوہ بریں ''وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ''کا عطف ''وَاتَّقُوا اللّٰہَ'' پر ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے، لہٰذا وسیلہ سے تقویٰ اور عمل صالح مراد لینا درست نہیں ہے اور اس سے جہاد بھی مراد نہیں ہو سکتا ہے، کیوں کہ جہاد کا بھی ذکر ''جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ '' میں موجود ہے۔بدلیل مغایرت معطوف اور معطوف علیہ جہاد مراد لینا بھی صحیح نہیں ہو سکتا ہے، پس معلوم ہوا کہ طلب وسیلہ سے مُراد بیعت طریقت و ارادت یعنی کسی اللہ والے کو خدا

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت:٦٢، یونس:١٠.

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔[کنزالایمان]

(۲)- آیت:۳۵، المائدہ:۵

کی جناب میں وسیلہ بنانا اور اپنے آپ کو حلقہ و سلسلۂ بیعت میں داخل کرنا مراد ہے اور ان کے اصول پر جہاد فی النفس کرنا ہے اور جہاد فی الاسلام "اتَّقُوْ" میں داخل ہے۔ فافھم۔

حدیث (۱)- حضرت بادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول مقبول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں فرمایا کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ عبادت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں گے، چوری اور زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹ، بہتان باندھیں گے، احکامِ شرعی کی نافرمانی نہ کریں گے[۱] (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

حدیث (۲)- حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، نو آدمی یا آٹھ تھے یا سات۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ ﷺ ؟ آپ نے فرمایا کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا اور پانچوں وقت نمازیں پڑھوں گا اور احکام سنوں گا اور مانوں گا اور ایک بات آہستہ فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی کوئی چیز نہ مانگو۔ (روایت کیا اس کو مسلم اور ابو داؤد اور نسائی نے)

حدیث (۳)- سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعَسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمُنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ....وَاَنْ لَا تَنَازِعَ الْاَمْرِ أَهْلَهُ. (ملخصاً). [۲]

---

(۱)- حدیث کے الفاظ یوں ہے: عن عبادة بن صامت رضی الله عنه أنه قال: انی عن النقباء الذین بایعوا رسول الله ﷺ وقال بایغاه علی أن لانشرك بالله شیئا ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل النفس التی حرم الله، ولا ننتهب. (صحیح البخاری، کتاب بعث النبی/ باب وجود الانصار الی النبی ﷺ، ج:۱، ص:٥٦١)

(۲)- صحیح البخاری، کتاب الفتن / باب ماجاء فی قوله تعالیٰ واتقوا فتنةً، ج:۲، ص:۱۰۳۳.

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسان و دشواری، ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحبِ حکم کے کسی حکم میں چوں چرانہ کریں گے۔

منکرین بیعت کہتے ہیں کہ صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعتِ جہاد کرنا معمول تھا۔

بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی حدیثیں گزریں۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مخاطبین چوں کہ صحابہ ہیں اس لیے بیعت اسلام نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے معلوم ہوا ہے کہ بیعت جہاد کی نہیں ہے، کیوں کہ جہاد کا لفظ حدیث شریف میں ذکر نہیں۔ پس بہ دلالت عبارۃ النص ثابت ہوا کہ یہ بیعت التزام احکام و اعمال کے لیے ہے۔ اور التزام احکام واعمال کے لیے جو بیعت لی جاتی ہے اسی کو بیعتِ طریقت کہتے ہیں۔ فافھم۔

جب کہ یہ فعل جل جلالہ وعم نوالہ کو پسند آیا تو بذریعہ جبرئیل عورتوں کی بیعت لینے کا حکم صادر فرمایا۔ «سورہ ممتحنہ» میں ہے:

”اے نبی ﷺ ! جب تمھارے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ نہ کسی کو خدا کے ساتھ عبادت میں شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کبھی کسی سے جھوٹ پر بہتان باندھیں گی اور نہ شریعت میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت لے لو اور خدا سے ان کے واسطے بخشش چاہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“(۱)

میں پوچھتا ہوں ذرا غور کرو کہ کیا شرک و چوری، زنا، قتلِ اولاد اور نافرمانی رسول سے تائب ہونا، بغیر بیعت کے نہیں ہو سکتا ہے؟ کیا یہ حدیث شریف نہیں ہے؟ ”التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ“(۲) یعنی جس نے گناہوں سے توبہ کی اور خدا کی جانب رجوع کیا تو گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ مسلمان عورتوں سے فلاں اور فلاں بات پر

---

(۱)- القرآن الکریم، آیت: ۱۲، الممتحنہ: ۶۰.

(۲)- سنن ابنِ ماجه، کتاب الزهد، باب ذکرِ توبه، ص: ۳۱۳.

بیعت لے لو۔ عورتوں کو ان باتوں سے توبہ کرنے کے لیے بیعت کی کیا ضرورت تھی، بے شک توبہ بے بیعت کے بھی جائز ہے اور گناہوں کی معافی کے لیے کافی ہے۔

عورتوں کی بیعت کے اندر ایک بڑی اہمیت ہویدا ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے اندر اسرار بھی پوشیدہ ہیں۔ اس لیے عورتوں کی بیعت لینے کو حکم خداوندی صادر ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ بیعت کے اندر بڑی بڑی خوبیاں ہیں اور سالکانِ راہِ طریقت خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اس راہ میں سینہ معرفت کا خزینہ بن جاتا ہے، لیکن بقولِ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ:

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیاید

آتشِ خورشید بے شیشہ رسد گے پنبہ را   کے شود نورِ خدا بے پیر حاصل بندہ را

گے شود بے پیر مسکہ کے بود بے پیر پیر   علمِ ظاہر ہمچو مسکہ علم باطن ہمچو شیر

مَردوں اور عورتوں کا حال تو معلوم ہو گیا، اب بچوں کی بیعت کا ثبوت سنیے:

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "قول جمیل" کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ "مشایخ نے نابالغوں کی بیعت کرنے کے جواز میں غالباً صحیح مسلم کی حدیث کو سند مانا ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت زبیر نے اپنے نابالغ صاحب زادے عبداللہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں بیعت کے لیے حاضر کیا۔ اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ آپ نے اپنی طرف مخاطب فرمایا اور مسکرا کر بیعت کر لی۔" (مسلم شریف)

برادرانِ من! سنیے اور سوچیے! بخاری شریف، مسلم شریف اور ابو داؤد شریف کی حدیث گزری جس میں جہاد کا تذکرہ نہیں، «سورہ ممتحنہ» کی آیت کا ترجمہ سنایا جس میں جہاد کا بیان نہیں، پھر کس طرح کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ بیعت بیعتِ جہاد اور بیعت اسلام تھی۔ خداوند کریم تعصب کا بُرا کرے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر سچ مچ بیعت لینا یعنی مرید ہونا فعل عبث ہے اور فائدہ نہیں ہے اور نہ بیعت کے اندر کوئی اہمیت ہے تو صحابۂ کرام مع عورتوں اور بچوں کے کیوں داخلِ بیعت ہوئے؟ کیا یہ سب مسلمان نہ تھے؟ کیا متقی و پرہیز گار نہ تھے؟ کیا نماز اور روزہ کے یہ صحابہ اور صحابیہ عامل نہ تھے؟ کیا ان لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کافی نہ تھا؟ میرا اور آپ

کا ایمان ہے کہ ضرور کافی تھا۔ پھر کیا وجہ ہے ؟ اس بیعت سے بیعت کی اہمیت ثابت ہورہی ہے۔ یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ بچے کو مرید کرنے کا کیا مطلب ہے ؟ کیا بچہ مکلف ہوتا ہے ؟ اور اگر مکلف نہیں ہوتا ہے اور یقینی نہیں ہوتا ہے تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ نعوذ باللہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فعلِ عبث فرمایا۔ اگر ہاں فرمائیے تو پہلے آپ اپنے ایمان کی خیر منائیے۔ ایمان رخصت ہوا جاتا ہے۔

مسلمانو! مجھ سے سنو! رسول اللہ ﷺ کا ہر فعل حکمت و اسرار الٰہی سے ہوا کرتا ہے، کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی جس سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ اگر آگاہ ہوجاتے تو گونگے ہوجاتے اور نکتہ چینی نہ فرماتے۔ بے شک بچے کا مرید ہونا ضروری نہیں ہے کیوں کہ نابالغ ہے اور نابالغ کو شرعی تکلیف نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل سے ہمیں یہ بتایا کہ بچہ اگرچہ مکلف نہیں ہوتا ہے لیکن داخلِ بیعت ہونا فائدہ سے خالی نہیں ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہر گز نہ رسی بے مددِ پیر بجائے ۔۔۔ بے زورِ کماں نبرد تیر بجائے

ضرورتِ شیخ کے متعلق بعض اکابر فرماتے ہیں کہ نطفہ کو دیکھو کہ بظاہر سفید بدبودار پانی ہے، مگر حقیقۃً اس کے اندر کیسی کیسی دل فریب صورتیں پوشیدہ ہیں جو ابتدا میں ذہن میں نہیں آتیں، لیکن بالآخر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی نطفہ کو اگر ہیرے، زمرد، سونے یا چاندی کے ظروف میں رکھا جائے برباد ہوجائے گا۔ معلوم ہوا کہ نطفہ میں گو قابلیت ہے مگر اس قابلیت کے نتائج بخش ہونے کے لیے تندرست رحمِ مادر ضروری ہے۔ یہی حال روح کا ہے۔ جس طرح نطفہ رحمِ مادر میں پرورش پاکر پاکیزہ شکل و صورت میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح روح بھی انبیا علیہم السلام اور بہ واسطہ ان کے اولیاء اللہ اور صوفیاے کرام کی آغوشِ کرم میں تربیت پاکر حُسنِ اصلی کو پہنچتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرشدِ کامل کی تربیت کے بغیر روحانی ترقیات ظہور میں نہیں آتیں۔

چھٹا باب
بیعت کے حقیقی معنیٰ کے ثبوت میں

بیعت بیع سے مشتق ہے اور بیع کے معنیٰ بیچنے کے ہیں۔ طالبِ مولیٰ اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو پیر کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ یہی بیعت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے۔ حدیث گزری کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری اور ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحبِ حکم کے کسی حکم میں چون و چرا نہ کریں گے۔ یہ ہے بیعتِ طریقت و ارادت کہ اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ و مرشد و ہادی برحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے، اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے، اس کے بتانے پر راہ سلوک طے کرے۔ کوئی قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھائے، اس کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل صحیح معلوم نہ ہو تو اس کو افعال خضر علیہ السلام کے مثل سمجھے اور اپنے عقل و علم کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر اعتراض نہ کرے۔ اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے، غرض اس کے ہاتھ پر مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ مقصودِ بیعت یہی ہے اور یہی اللہ والوں کا مطلب ہے لیکن آج کل عام طور سے تبرک کے لیے داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ بیعتِ برکت بھی مفید ہے، بیعتِ برکت بھی دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبانِ خدا سے خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، ان سے سلسلہ متّصل ہو جانا فی نفسہٖ عبادت ہے۔ اول تو خاص سالکانِ راہ سے اس امر میں مشابہت ہو جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.“(۱)

ترجمہ: جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

---

(۱)- سنن ابی داؤد، کتاب اللباس / باب فی لبس الشهرة، ج:۲، ص:۵۵۹.

«عوارف المعارف شریف» میں ہے کہ خرقے دو ہیں۔ ایک خرقۂ ارادت، دوسرا خرقۂ تبرک۔ حقیقی مرید کے لیے خرقۂ ارادت ہے اور مشابہت چاہنے والوں کے لیے خرقۂ تبرک، اور جو قوم کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے، وہ انھیں میں سے ہے تو گویا خرقۂ تبرک بھی فائدے سے خالی نہیں۔ اولاً مشابہت، ثانیاً غلامانِ خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہو جاتا ہے اور یہ بھی بہت مفید ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ.''[1]

ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدنصیب نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
می نشیند در حضورِ اولیا
لوحِ محفوظ است پیشانیِ یار
رازِ کونینش بماند آشکار
گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی
چوں بہ صاحب دل رَسی گوہر شوی

حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

صحبتِ طالح ترا طالح کند — صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح نشان آتش ست — واں کہ خلق آزار تند و سرکش ست
واں کہ عطار می گوید قریب — او ہمیں یابد ز بوے خوش نصیب
چشم روشن کن ز خاکِ اولیا — تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
چوں شوی دور از حضورِ اولیا — در حقیقت گشتہ دور از خدا

(۱)- صحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعا/ باب فضل مجالس الذكر، ج:۲، ص:۳٤٤.

اولیارا ہست قدرت از الٰہ   تیر جستہ باز گرداند از راہ

محبانِ من! علمائے حق رحمہم اللہ نے اسی واسطے فرمایا ہے کہ بے پیر فلاح نہ پائے گا۔ میں محض علمائے حق کے اقوال نقل کرتا ہوں، میری جانب سے وہ حضرات جواب تک مرید نہیں ہوئے ہیں، چیں بہ جبیں ہو کر بدظن نہ ہوں، اپنی کم علمی کا اقرار کریں اور علمائے حق کی جانب حسنِ ظن رکھیں، کیوں کہ حسن ظن عبادت ہے اور بدگمانی سے اپنے آپ کو بچائیں کیوں کہ بدگمانی گناہ ہے اور یہ خباثت دل میں پیدا ہوتی ہے۔

«عوارف معارف شریف» میں حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "میں نے بہت سے اولیائے کرام کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی وہ فلاح نہ پائے گا۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ "جس کا کوئی پیر نہیں ہے اس کا امام شیطان ہے" اور یہ سب اقوال شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہیں۔

حضرت امام اجل ابو القاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ «رسالہ قشیریہ» میں فرماتے ہیں کہ "مرید پر واجب ہے کہ کسی پیر سے تربیت لے کہ بے پیرا فلاح نہ پائے گا۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ اس لیے کہ راہِ سلوک میں وہ شدید باریکیاں، وہ سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک اس راہ کے نشیب و فراز سے آگاہ و ماہر حل نہ کرے حل نہ ہوں گی، نہ کتبِ سلوک کا مطالعہ کام دے گا اور نہ وہ نماز و روزہ کی طرح محدود ہے کہ جس کا کتاب ضبط کر سکے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تک اتنے راستے ہیں جتنی تمام مخلوق کی سانسیں ہیں۔ اس صورت میں اغلب بھی ہے کہ بے پیر فلاح نہ پائے اور آفتوں میں گرفتار ہو جائے۔

الغرض بے پیر فلاح نہ پائے گا اور جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوگا۔ اس مضمون کو اکابر علما نے قرآن پاک کی آیت سے ثابت فرمایا ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾''(۱)

(۱)- القرآن الکریم، آیت: ۱۹، المائدۃ: ۵.

ترجمہ: اے ایمان والو! خدا کی جناب میں متقی ہو جاؤ اور وسیلہ ڈھونڈو اور جہاد کرو، فلاح پاؤ گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس راہ میں فلاح وسیلہ پر موقوف ہے کہ اسے اس پر مرتب فرمایا تو ثابت ہوا کہ بے پیر فلاح نہ پائے گا۔

آگے ارشادِ باری ہے کہ جو فلاح نہ پائے گا خاسر ہو گا تو حزب اللہ سے نہ ہو گا۔ حزب الشیطان سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾''(۱)

ترجمہ: سنتا ہے شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے۔

''اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾''(۲)

ترجمہ: سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے۔

تو دوسرا جملہ بھی اللہ والوں کا ثابت ہوا کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے۔ اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد
او ز غولاں گم رہ و در چاہ شد
گر نباشد سایۂ پیر اے فضول
پس ترا سر گشتہ دارد بانگ غول

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۲۲، المجادلۃ: ۵۸.
(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۲۲، المجادلۃ: ۵۸.

ساتواں باب
منکرینِ بیعت کے اعتراضات کے جواب میں

منکرینِ بیعت کہتے ہیں کہ اللہ و رسول میرے لیے کافی ہیں پیر کی ضرورت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ منکرین کو کہنا چاہیے کہ اللہ میرے لیے کافی ہے رسول کی ضرورت نہیں، اور دلیل اس آیت کو پیش کرنا چاہیے:

"اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ"[۱]

ترجمہ: کیا اللہ کافی نہیں ہے؟

ہاں کافی ہے اور ضرور کافی ہے اور اس آیت کی تشریح اس حدیث سے فرمائیں:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ لَا اِلٰه اِلَّا اللّٰهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰى وَ اِنْ سَرَقَ." (ملخصًا)[۲]

ترجمہ: جس نے کہا لا الہ الا اللہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ عمل بد چوری و زنا میں مبتلا رہے۔

اصل انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان مخالفوں کا ایمان بعض آیت پر ہے اور بعض سے انکار ہے۔

اور یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ بعض آیت پر ایمان اور بعض سے انکار کفر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ"[۳]

ترجمہ: کیا پس تم ایمان لاتے ہو قرآن کی بعض آیتوں پر اور بعض سے انکار کرتے ہو۔

غور کرو جس کتاب کو کتاب اللہ جانتے ہو اسی میں لکھا ہے:

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۳۵، الزمر: ۳۹.

(۲)- مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص: ١٤.

(۳)-القرآن الکریم، آیت: ۸۵، البقرۃ: ۲.

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ''(۱)

اور اسی کتاب میں لکھا ہے:

''وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ''(۲)

جس کو رسولِ خدا نے اپنے فعل سے بتایا، بلکہ یہاں تک اللہ نے فرمایا کہ'' كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ''یعنی اللہ کے سچے دوستوں کی صحبت میں رہو، جسمی اور روحی ہر حال میں اس کے ساتھ رہو۔

اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے ''قول جمیل'' میں فرمایا ہے کہ شیخ کی غیبت (عدم موجودگی) میں اس کی صورت خیال کو سامنے رکھو، اسی طرح مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات مطبوعہ لکھنؤ جلد دوم مکتوبات سیم (۳۰) ص:۴۶میں ہے:

ترجمہ: خواجہ محمد اشرف نے بہ نسبت رابطہ کے ورزش کے متعلق لکھا تھا کہ تصور شیخ مجھ پر اس قدر غالب و مستور ہو گیا ہے کہ نماز کی حالت میں بھی شیخ کی صورت کو اپنا مسجود جانتا و دیکھتا ہوں، اگر بالفرض صورتِ شیخ کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ صورت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔

اس کے جواب میں مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ''اے محبت اطوار عزیز یہ دولت (تصور شیخ) طالبوں کی دلی آرزو و تمنا ہے۔ ہزاروں میں اللہ کسی ایک کو عنایت فرماتا ہے۔ شیخ کے تصور میں اس قدر محو ہونے والا تو صاحبِ استعداد و کامل مناسبت والا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے جامع کمالیت، مرشد کی تھوڑی صحبت سے اپنے اندر جذب کرے۔ یہ رابطہ جو بہت آرزؤں کے بعد ہزاروں میں کسی ایک کو نصیب ہوتا ہے، اسے کیوں نفی کرنے کی کوشش کرتے ہو، کیوں کہ وہ بظاہر نماز میں مسجود لہ نظر آتی ہے، حقیقت میں وہ مسجود لہ نہیں ہے بلکہ مسجود الیہ ہے۔ اس قسم کی دولت

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۱۰، الفتح:٤٨.

ترجمہ: جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔[کنزالایمان]

(۲)-القرآن الکریم، آیت:۳۵، المائدہ:۵. ترجمہ: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔[کنز الایمان]

(تصور شیخ) سعادت مندوں، نیک بختوں کو قدرت کی طرف سے میسر ہوتی ہے تاکہ وہ ہر حالت میں شیخ کا تصور و شغل برزخ کو اپنے اور خداوند قدوس کے درمیان واسطہ سمجھیں اور اپنے کل اوقات میں شیخ کی صورت ہی کی طرف رہیں۔ ہر گز بے دولت محروم القسمت جماعت کی طرف اپنے کو تصور شیخ سے بے نیاز نہ سمجھیں۔ اور اپنے شیخ قبلۂ توجہہ سے انحراف نہ کریں ان بے دولتوں کی طرح اپنے ذہن معاملہ کو برباد و برہم نہ کریں، کیا اچھا فرمایا مولانا آسی غازی پوری علیہ الرحمۃ نے:

میں بتاؤں تمھیں صورتِ شیخ سے کیا ملتا ہے
رفتہ رفتہ اسی صورت میں خدا ملتا ہے

اور مؤلف (قمر الہدیٰ قادری) ہمیشہ اس شعر کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے، جس نے کہا خوب کہا ہے:

اس طرح اُس کے تصور کو جَما لُوں دِل میں
اپنی صورت پہ بھی ہونے لگے دھوکا اُس کا

اور کسی کا قول ہے:

دارم ہمہ جا، با ہمہ کس، و از ہمہ حال
در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

منکرینِ بیعت سے استدعا کرتا ہوں کہ پورے قرآن پر ایمان لائیں۔ ایک آیت کو پکڑنا اور دوسری کو چھوڑنا بددینی ولامذہبی ہے۔

محبانِ من! منکرین کے انکار کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن پاک کا سمجھنا آسان ہے، مجھ کو عالمِ کامل کی ضرورت نہیں ہے، ہم خود ہی مسائل نکال کر عمل کر لیں گے اور یہی مسلک «مولوی اسماعیل دہلوی» کا ہے۔ اس نے تقویۃ الایمان میں اس آیت کو لکھا ہے:

''وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍۚ وَ مَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝۹۹''(۱)

اور ترجمہ کرتا ہے: ''اور بے شک اتاریں ہم نے طرف تیرے باتیں کھلیں اور منکر اس

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۹۹، البقرۃ: ۲.

سے وہی ہوئے ہیں جو لوگ بے حکم ہوئے ہیں۔“(۱)

فائدہ لکھتا ہے: یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ (فائدۂ بے فائدہ اپنی طرف سے بڑھا کر لکھتا ہے کہ جو کوئی اس آیت کو سن کر یہ کہے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالم کے کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے، سو اس نے اس آیت سے انکار کیا اور ان کی راہ سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا ہے۔ سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ (ملخصًا) (۲)

مسلمانو! لفظ انکار سے کفر کی طرف اشارہ کیا گیا، کیوں کہ تمام علما کا اجماع ہے کہ آیت کے انکار سے کفر ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ دین کے سمجھانے کے لیے عالم کی ضرورت بتانے والا مولوی اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کافر خارج اسلام ہے۔

دینی بھائیو! پہلے مجھ سے سنو کہ مولوی محمود الحسن دیوبندی مولوی اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کافر خارج اسلام ہو گیا۔ وہ (مولوی محمود الحسن) اپنے قصیدہ میں دین کے سمجھانے کے لیے عالم کی ضرورت کہہ رہے ہیں:

پر نہ ہوں سائق و قائد جو رشید و قاسم
ہم کو کیوں کر ملیں یہ نعمتِ یزداں دونوں
کون سمجھائے ہمیں مطلبِ اللہ و رسول
کون سکھلائے ہمیں سنت و قرآں دونوں

اسمٰعیلی جماعت اپنی زبان پر محدثین و اولیاے کاملین کی باتوں کو نہیں لا سکتی ہے، کیوں کہ ان کے مذہب میں مولویوں کی باتوں کو ماننا بے دینی ہے، جیسا کہ تقویۃ الایمان ص:۳۰، مطبوعہ

---

(۱)- مکتبہ تھانوی دیوبند، سن طباعت یکم اپریل ۱۹۸۴ء ایڈیشن میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے:
”بلاشبہہ ہم نے آپ پر صاف صاف آیتیں اتاری ہیں، ان کا انکار فاسق ہی کرتے ہیں۔“ [ص:۱۰]

(۲)- مکتبہ تھانوی دیوبند، سن طباعت یکم اپریل ۱۹۸۴ء ایڈیشن میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:
”یعنی ان کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں نہایت آسان ہے۔ اس آیت کو سمجھنے کے بعد اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ قرآن سمجھنا عالموں کا اور اس پر عمل کرنا بڑے بزرگوں کا کام ہے تو اس نے اس آیت کو ٹھکرا دیا۔“ [ص:۱۰]

کنٹائیل دہلی میں ہے۔ پوری عبارت یہ ہے کہ ”اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، پہلوں کو پکڑتے ہیں، کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو انھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔“(۱)

عزیزانِ من! یہ ہے خارجیوں کا اصول جن کو وہابی کہتے ہیں۔ اس اصول میں متقدمین کے طریق، بزرگوں کے حالات، علما کے ارشاد اور عقل کے فیصلے سب سے روکا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر طرح آنکھ میچ کر مولوی اسماعیل کے حکموں کو مانو۔ اگر وہ متقدمین کے خلاف ہوں تو انھیں بھی چھوڑو۔ اگر بزرگوں کے حالات اور سلف صالح کی روش کے مخالف ہوں تو ان کو بھی ترک کرو۔ اگر علماے دین و ائمہ متقدمین کی تعلیم دینا برعکس ہو تو اُن سے بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ اگر ان سب کے باوجود تمھاری عقل میں نہ آئے تو اس سے بھی درگزر اور صمٌّ بکمٌ ہو کر مولوی اسماعیل کا کہا مانو اور سلف صالحین و علماے دین اور عقل سب سے قطع تعلق کر کے «تقویۃ الایمان» کے متبع ہو جاؤ۔

مگر قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس گم راہی کے اصول کا قلع قمع کر دیا گیا ہے:

”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ “(۲)

یعنی ہم کو سیدھا راستہ چلا اور راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے راستے کو سیدھا راستہ فرمایا ہے اور اس طرح ہدایت کی دعا تلقین کی، عجیب بات ہے کہ پہلوں کی رسمیں، بزرگوں کے حالات، علما کے ارشاد اور عقل کا حکم تو ماننے کے قابل نہ ہو، مگر مولوی اسماعیل صاحب کا حکم ماننے کے قابل ہو جائے، جس کو مولوی اسماعیل صاحب بزرگوں کی رسمیں کہتے ہیں، قرآن پاک اس کو ”صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ “(۳) فرماتا ہے۔ پہلے بزرگوں عالموں میں ائمہ، علما، صلحا، اولیا و غوث و قطب، تبع

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ٦، الفاتحہ: ١.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ٥، ٦، الفاتحہ: ١.

(۳)-مکتبہ تھانوی دیوبند، سنِ طباعت یکم اپریل ۱۹۸۴ء ایڈیشن میں اس طرح لکھا ہے:

”اس زمانے میں لوگوں نے مختلف راہیں اختیار کر رکھی ہیں، بعض باپ دادا کی رسموں پر چلتے ہیں، بعض بزرگوں کے طریقوں کو اچھا سمجھتے ہیں، بعض علما کی خود تراشیدہ باتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور بعض عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور دینی باتوں میں عقل کو دخل دیتے ہیں۔“ [ص: ۹، ۱۰]

تابعین، صحابہ، خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب ہی آ گئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے دین کا سارا نظم درہم برہم کر دیا۔ مولوی صاحب نے اپنے سوا کل مسلمانوں کو خارج اسلام کر دیا۔

بخاری شریف میں ہے:

”كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ : اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.“[۱]

ترجمہ: یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خارجیوں کو بدترین خلق جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئیں، یہ ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرنے لگے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے اپنی تمام کتاب میں خوارج کے اس طریقہ پر عمل کیا اور وہابیہ کا یہ شیوہ ہی ہو گیا ہے، اور در حقیقت وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ردالمحتار ج:۶، ص:۲۶۱ پر ذکر فرمایا ہے: ”كَمَا وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا فِيْ اَتْبَاعِ الْوَهَّابِ الٰى اٰخره“ یعنی جیسا ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین میں واقع ہوا جو نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر قابض ہوئے اور اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرتے تھے لیکن در اصل ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں، باقی سب مشرک ہیں اس وجہ سے انھوں نے اہل سنت اور ان کے علما کا قتل مباح سمجھا۔[۲]

وہابی در اصل خارجی ہیں جو ابن عبدالوہاب نجدی کی اتباع کرتے ہیں، ان کے نزدیک دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں۔ تمام عالم مشرک مباح الدم ہے اور بزرگان دین مقبولین بارگاہ رب العالمین کی توہین ان کا دین و ایمان ہے، جو جو جملہ انبیا و اولیا کی شان میں کہتے ہیں، انھیں جملوں کو ان کے استادوں کے نام کے ساتھ کہیے اور ان کی پیشانی کو دیکھیے، چیں بہ جبیں ہو جائیں گے۔

---

(۱)- صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامة، ج:۲، ص:۱۰۲٤.

(۲)- كَمَا وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا فِيْ اَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَى الحَرَمَيْنِ وَكَانُوْا يَنْتَحِلُوْنَ مَذهَبَ الحَنَابِلَةِ ، لٰكِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ المُسْلِمُوْنَ وَأَنَّ مَنْ خَالَفَ اعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُوْنَ وَاسَتَبَاحُوْا بِذَالِكَ قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ عُلَمَائِهِمْ!

(الدر المختار، کتاب الجهاد/ باب البغاة، ص:٤١٣)

عزیزانِ من! رہا یہ کہ وہابی کس کو کہتے ہیں، اس کا جواب ہم تو اس معاملہ میں جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو (جن کو سب علماے دیوبند اپنا پیشوا مانتے اور ان کو مربی خلائق سمجھتے ہیں) (معاذاللہ) صاف گو سمجھتے ہیں۔ دیکھیے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول:

ان سے سوال کیا جاتا ہے، وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا؟ اور اہلِ نجد کے میں عقائد اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

(دیکھیے ایک سوال میں پانچ سوالات ہیں۔ اب مولوی صاحب کا جواب ملاحظہ ہو) لکھتے ہیں کہ محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔

(دیکھیے کیسا صحیح جواب ہے۔ آگے دیکھیے، دوسرے نمبر کے جواب میں لکھتے ہیں) کہ ان کے عقائد عمدہ تھے، (یعنی ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو وہابی کہتے ہیں اور ہم عقیدہ لوگ وہی ہیں جو ان کے عقائد کو عمدہ کہیں لہٰذا لکھ دیا کہ ان کے عقائد عمدہ تھے۔)

(تیسرے سوال کے جواب میں کہتے ہیں) کہ ان کا مذہب حنبلی تھا۔ (چوتھے سوال کے جواب میں یوں کہتے ہیں) کہ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔[۱] (مگر پھر آگے تشریح کرتے ہیں کہ اس شدت کی وجہ سے کہیں ان کو برا نہ سمجھ لینا)، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ (کس قدر صاف بات انھوں نے لکھ دی) مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا ہے۔

(افسوس ہے کہ مولوی صاحب اس کو مصلحتاً واضح نہ کر سکے کہ وہ حد کون سی ہے جس سے آگے بڑھ گئے ہیں اور ان فسادیوں کی پہچان کیا ہے؟)

(اب آخری سوال کے جواب میں کہ نجدی اور سنی کے عقائد میں کیا فرق ہے؟ لکھتے ہیں) کہ عقائد میں سب متحد ہیں (یعنی عقائد کے اعتبار سے تو سب عبدالوہاب کے مقتدی اور ہم عقیدہ ہیں۔)

بے شک یہ ہیں سچے مولوی صاحب! آگے لکھتے ہیں:

---

(۱)- اس سوال سے قبل بھی ایک سوال ہوا جس میں سائل نے پوچھا "عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟ جواب لکھتے ہیں: "وہ اچھا آدمی تھا، مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔" ملخصًا

(رہا اعمال کا معاملہ) اس میں فرق حنفی و شافعی، مالکی و حنبلی کا ہے۔ (۱)

ان باتوں کا تعلق تو عمل سے ہے لیکن عقیدے سب کے ایک ہیں، حنفی ہونا، حنبلی ہونا، وہابی ہونے کے منافی نہیں۔ وہابی ہونا تو عبد الوہاب کے ہم عقیدہ ہونے پر مبنی ہے، جو لوگ ان کے عقائد کو عمدہ سمجھیں وہ وہابی ہیں اور جو برا سمجھتے ہیں وہ سنی ہیں۔

مولوی صاحب نے بے لاگ جواب دیا اور اپنے بہی خواہ ہونے کا اقرار کر لیا کہ ہم ابن عبد الوہاب کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اب ظاہر ہوا کہ جو لوگ مولوی صاحب کو مانتے اور اپنا مذہبی پیشوا جانتے ہیں وہ سب وہابیوں کے ہم عقیدہ ہوئے، خواہ حنفی ہوں یا حنبلی۔

اتنے واضح فتوے کے بعد بھی سنیوں کو دھوکا دیتے ہیں اور چناں و چنیں کہتے ہیں۔ مضیٰ ما مضیٰ۔ اب اصل مضمون پر آتا ہوں: مولوی صاحب کا تقویۃ الایمان میں صاف لکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن میں باتیں صاف صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ اولاً مولوی صاحب نے اللہ پر افترا کیا۔ یہ تو قرآن کریم پر بہتان ہے، کہیں یہ نہیں فرمایا ہے کہ قرآن کا سمجھنا مشکل نہیں ہے، قرآن کا سمجھنا مشکل ہے یا آسان۔ اسے آئندہ عرض کروں گا۔ آپ سن لیں کہ قرآن و حدیث کو آسان سمجھ کر ائمہ دین و علمائے محققین و بزرگان دین کی اتباع سے نکل کر کیا کیا مسئلہ اجتہاد کیا۔ مولوی عرفان علی ہانسوی "نصیحت المومنین" و مولوی قربان علی "تحفۃ المومنین" میں حقیقی پھوپھی و حقیقی دادی و نانی سے نکاح جائز بتایا۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ."

---

(۱)-فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۸۰، مکتبہ تھانوی دیو بند، سنِ اشاعت، ۱۹۸۷ء

آٹھواں باب
قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے عالم کی ضرورت کے ثبوت میں

قرآن کا سمجھنا آسان ہے یا مشکل۔ مضامینِ قرآن سے آگاہ ہونے کے لیے عالم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اسے خوب غور سے سمجھنا چاہیے۔ محبانِ من! میں مانتا ہوں کہ قرآن و حدیث ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا مشکل ہے، آسان نہیں ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن کا سمجھنا آسان ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ قرآن کو صحیح طور پر سمجھ کر عمل کرنا بغیر شیخ کامل کے نہیں ہو سکتا ہے؛ ارشادِ خداوندی ہے:

"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ"(۱)

سورہ جمعہ میں یوں ہے: "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ".(۲)

یعنی تعلیم فرمایا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ صحابہ کو کتاب اور حکمت کی۔

پس معلوم ہوا کہ صحابہ جو اہل زبان، عربی کے ماہر تھے وہ بھی بغیر سمجھائے ہوئے کتاب اللہ کو سمجھنے سے قاصر اور مجبور تھے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے:

"تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾"(۱)

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۱۲۹، البقرۃ: ۲.

ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب پختہ علم سکھائے، اور انھیں خوب ستھرا فرما دے۔ (کنزالایمان)

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۲۰، الجمعۃ.

ترجمہ: یہ مثالیں ہیں جنھیں تم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں نہیں سمجھتے ہیں مگر عالم۔

مشکاۃ شریف، ص:۳۵، نیز ترمذی میں ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْا النَّاسَ."

یعنی فرائض اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

معلوم ہوا قرآن اور حدیث کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس کے سمجھنے والے علمائے حق ہیں۔ انھیں کی جانب تم لوگوں کو خبر دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ"(۲)

یعنی اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے راستے کو سیدھا راستہ فرمایا ہے، اور اس کی جانب ہدایت کی دعا تلقین فرمائی ہے۔

محبانِ من! یہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے کل بندوں کو برابر نہیں بتایا ہے۔ خاص خاص باتوں کو خاص طرح سے اپنے مخصوص بندوں کو مرحمت فرمایا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ"(۳)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہ بھی ارشاد ہے:

"اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ"(۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جن کا سینہ علم کے لیے کھول دیا ہے وہ رب کی عطا سے پر نور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ٤٣، العنکبوت.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ٥، ٦، الفاتحة: ١.

(۳)-القرآن الکریم، آیت: ٢٥٣، البقرة: ٢.

(۴)-القرآن الکریم، آیت: ٢٢، الزمر: ٣٩.

''فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (۱)

ترجمہ:اگر تم نہیں جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔یعنی اللہ والوں سے پوچھو۔

جن کی شان یہ ہے: ''هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ'' (۲)

کوئی ایسا سیکنڈ نہیں گزرتا جس میں ذکر نہ کرتے ہوں۔

یہ گروہ اللہ والوں کا ہے،اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ والوں میں جس فرد کو اپنا امام بنایا جائے گا وہ خود اہلِ ذکر میں داخل رہے گا،کیوں کہ مطلق کا وجود فرد خاص ہی میں پایا جائے گا۔لہٰذا جس نے جس کو امام بنایا وہ داخل اہلِ ذکر ہے۔

الغرض تقلید شخصی کا ثبوت قرآن پاک سے نمایاں طور پر ثابت ہوا۔''حاشیہ حسامی باب متابعة رسول علیہ السلام''میں ص:۸۶ پر''شرح مختصر المنار''سے نقل کیا ہے:تقلید شخصی کے معنیٰ ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا،اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یاد کرتے ہوئے سن لے،یہ سمجھ کر کہ وہ اہلِ تحقیق میں سے ہے دلیل میں نظر کیے ہوئے بغیر۔ (۳)

عزیزو اور محبّو!دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ہر ہنر،ہر علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنی ہوتی ہے۔علمِ حدیث میں بھی تقلید کرنی ہوتی ہے کہ فلاں حدیث اس کی ضعیف ہے کہ امام بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے تو اس کا قوی ہونا و ماننا بھی تو تقلید ہے۔قرآن کی قراءت میں قاریوں کی تقلید ہے۔قرآن کے اعراب،آیات سب میں تقلید ہی تو ہے۔نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ان سب میں تقلید شخصی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماعِ امت کے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے

---

(۱)-القرآن الکریم،آیت:۴۳،الانبیاء:۲۱.

(۲)-القرآن الکریم،آیت:۲۳،المعارج:۷۰

(۳)-وَالتَّقْلِيْدُ اتِّبَاعُ الْغَيْرِ عَلٰى ظَنٍّ اَنَّهٗ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرٍ فِي الدَّلِيْلِ

(حسامی مع شرحہ النامی،ص:۹۴)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:تقلید:قلادہ در گردن بستن۔

جائیں، ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ صوفیاے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید فی الطریقۃ ہے۔ اس لیے کہ یہ شرعی مسائل ،حرام وحلال میں تقلید نہیں ہے۔ فافهم-

عزیزانِ من! جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ خدا نے اپنے علم کے لیے خاص خاص بندوں کو چُن لیا ہے اور صاف سنیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴''(۱)

ترجمہ: تم میں کا ایک گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کی تعلیم دے اور بری باتوں سے منع کرے، وہی فلاح پانے والا ہے۔

قرآن تو صاف صاف کھلے لفظوں میں فرمار ہا ہے کہ عام لوگوں میں سے ہر شخص میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ کسی کامل عالم کے بغیر بتائے خود بخود شریعت کا پابند ہو کر اپنے آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ بلکہ عام لوگوں کو ان عالموں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا ہے۔ وہی قرآن کے اصلی معنیٰ کو سمجھتے ہیں، منکرینِ بیعت اور اسماعیلی جماعت مل جل کر ان حروف وآیات واحادیث کا اصلی مطلب بیان نہیں کرسکتے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

''الٓمّٓ ، كٓهٰيٰعٓصٓ ، حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ ، نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝'' ان کے حقیقی معنیٰ اور اصلی معنیٰ کیا ہیں؟ ''يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ، مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ، فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' حالاں کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے: ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' کسی کا یہ کہنا کہ آیات متشابہات و حروف مقطعات کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ وحی یا غیب دانی کا ہے۔ اس کا علم حضور اقدس ﷺ کو اللہ نے دیا ہے۔ اور حضور پر نور ﷺ کے واسطہ سے جس کو چاہتا ہے بتا دیتا ہے، لیکن ہر عالم سمجھ لے، یہ غلط ہے۔ اور سراسر غلط ہے۔ نہایت مشکل ہے۔

دینی بھائیو! اگر عالم کامل کو چھوڑ دیا جائے تو اسماعیلی جماعت کو نماز کا فرض ثابت کرنا مشکل

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۱۰۴، آلِ عمران: ۳.

ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے جہاں جہاں لفظ "صلاۃ" فرمایا ہے، بے نمازی کہے گا کہ یہاں لفظ "صلاۃ" دعا کے معنٰی میں ہے۔ یہاں درود کے معنٰی میں ہے۔ یہاں مغفرت کے معنٰی میں ہے۔ اور یہاں مسجد کے معنٰی میں مراد ہے۔ چوں کہ بے قیدی کی لگام منہ میں پڑی ہوئی ہے، جو چاہے گا، کہے گا۔ اس ہندوستان میں نہ گرفت ہے اور نہ روک تھام۔ جس کا جو جی چاہتا ہے کہتا ہے۔ بہر کیف مجھ سے تین حدیث سنیے۔

پہلی حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دو قسم کا علم سکھایا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو میں تم لوگوں کو بتا رہا ہوں۔ دوسرا علم وہ ہے کہ اگر بتاؤں تو لوگ میری گردن مار دیں۔ (۱)

دوسری حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو گناہ اس کو ضرر نہیں کرتا ہے۔ (دیلمی و رسالہ قشیریہ امام ابو القاسم)

تیسری حدیث: دنیا و آخرت دونوں اللہ والوں پر حرام ہیں۔

(مسند فردوس، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

ناظرین کرام! یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن حکیم کا ہر حرف دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک ظاہری پہلو، دوسرا باطنی پہلو۔ یہ بھی سرکار دوعالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ باطنی پہلو کے سات باطن ہیں۔ بیہقی۔ اور بعض روایتوں میں ستّر دیا ہے۔ اس کی شرح حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ مثنوی کی دفتر سوم مطبوعہ کشوری، ص:۱۰۴، ملاحظہ فرمائیے بہت کچھ علم میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور علمائے حق نے فرمایا ہے کہ سات بطن کا علم اللہ والوں کو حق جل جلالہ مرحمت فرماتا ہے اور تیس بطن کا علم انبیائے کرام صلوات علیہم اجمعین کو عنایت فرمایا ہے۔ بقیہ بطون کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اور مولف گاہ گاہ پیاز کے چھلکوں و پردوں کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا نقش بندی علیہ الرحمہ کا شعر کہہ اٹھتا ہے:

---

(۱)-حدیث کے الفاظ یوں ہیں: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ- صلى الله عليه وسلم - وِعَاءَيْنِ ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ ، وَأَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ.(بخاري شريف، كتاب العلم، باب حفظ العلم، ج:۱، ص:۲۳)

اندروں شو آشنا و از بِروں بیگانہ باش
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

مضیٰ ما مضیٰ. اب کسی مولوی کا یہ کہنا کہ قرآن کریم کا سمجھنا آسان ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

میرے دوستو و محبو! اگر قرآن و حدیث کا سمجھنا آسان اور کافی ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نہ فرماتے:

''اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ.''(۱)

ترجمہ: میرے اصحاب ستارے کے مانند ہیں، جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اور یہ بھی فرمایا:

''مِثْلُ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ.''(۲)

میرے اہلِ بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر بیٹھا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی اور منہ پھیر لیا وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا۔

ذرا اس کو بھی سمجھیے کہ بہتّر فرقے گمراہ کیوں ہوئے۔ کیا ان فرقوں کو قرآن و حدیث کا علم نہ تھا، یا نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ یہ سب فرقے سمجھتے ہیں میں قرآن و حدیث کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، اس بنا پر ان فرقوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن و حدیث کے موافق میرا ہی مذہب ہے۔ رافضی، خارجی، نیم وہابی، مرزائی وغیرہ کا ہر وقت یہی دعویٰ ہے اور اس میں اپنے آپ کو بڑا بہادر و جری سپاہی سمجھتا ہے۔ لہٰذا خوب غور فرمائیے کہ کیوں حضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ بہتر فرقے جہنمی اور ایک فرقہ ناجی ہے۔ یا بغیر غور کے مجھ سے سنیں۔ یہ لوگ ولی و رہبر کی راہ حق پر نہ چلے اور قرآن و حدیث کو آسان سمجھ کر جہاں چاہا اپنے نفس کے مطابق مسائل گڑھے اور اپنی سمجھ کو پیشوایانِ حق کی

(۱)-مشكاة المصابيح، كتاب المناقب / باب مناقب الصحابة، ص: ٥٥٤.
(۲)-مشكاة المصابيح، كتاب المناقب / باب مناقب الصحابة، ص: ٥٧٣.

سمجھ سے اچھا سمجھا اور اپنی سمجھ کے موافق عمل کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قعرِ ضلالت میں جا گرے۔ کاش وہ کسی رہبر اور مرشدِ حق کی اتباع کرتے اور ان کے علم کے اصول پر قرآن و حدیث کو سمجھتے اور عمل کرتے تو ہرگز گم راہ نہ ہوتے۔ بے شک راہِ حق بتانے والا اللہ ہی ہے۔ سبحانہ تعالیٰ۔ لیکن دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں کا کام وسیلہ اور ذریعہ پر موقوف ہے۔ سنتِ الٰہی اسی طور پر جاری ہے، ورنہ یکے بعد دیگرے رسول نہ بھیجتا۔ توریت، زبور، انجیل اور قرآن نہ نال فرماتا۔

رہا اس عالمِ اسباب میں قدرت نے وسائل کیوں پیدا کیے۔ ذرائع و وسائل کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ جیسا جانتا ہے، میں کیا عرض کروں، بس اتنا کہوں گا کہ چوں کہ ہماری طبیعت ضعیف ہے، اس لیے قدرت نے طبیعت ضعیفہ کے لیے سبب، وسیلہ اور ذریعہ کو تسلی دینے والا بتایا ہے۔ کیوں کہ نفس کو ذریعہ کے بغیر تسلی نہیں ہوتی ہے۔ بایں مصلحت اللہ تعالیٰ نے اسباب کو پیدا فرمایا ہے۔ مثلاً کھانا پکانے کو اللہ نے آگ پیدا کی ورنہ انسان اسی فکر میں گھل جاتا۔ اسباب ہی تسلی کا سبب ہوا کرتا ہے اور اس کا تجربہ آئے دن ہوا کرتا ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ جناب کل دوپہر کو آپ کی دعوت ہے۔ تسلی ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ کھانا ملنے کا وقت بھی بتا دیا ہے اور سبب کو بھی ظاہر فرما دیا ہے تجھے میرے وسیلے سے کھانا ملے گا اور فلاں وقت ملے گا۔ یہاں پر یہی سمجھ لیا جائے تو خوب ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ قرآن حکیم میں بار بار فرماتا ہے کہ رزق میرے یہاں ہے۔ لیکن طبیعت ضعیف ہونے کی وجہ سے انسان کو تسلی نہیں ہوتی ہے۔ ہر وقت تشویش رہتی ہے کہ کب دے گا اور کس ذریعہ سے دے گا۔

واضح رہے کہ یہ تشویش ایمانی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ خداوند کریم نے وسیلہ و سبب کو ظاہر نہ فرمایا کہ کب دے گا۔ چوں کہ قدرت نے وسیلہ کو ابہام میں رکھا ہے اس لیے روح اور دل کو تشویش ہوتی ہے۔ اور سبب، وسیلہ اور ذریعہ کی خاصیت کا تسلی اور تشفی ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ یہ تشویش عین فطرتِ الٰہی پر عمل ہے، کیوں کہ اسباب کو اس نے ابہام میں رکھا ہے اور معاشرت دنیاوی کا دار و مدار اسباب پر ہے۔ پس عالمِ اسباب میں رہنے والوں کو سبب، وسیلہ اور ذریعہ کو پکڑ کر رہنا چاہیے۔ جس نے اپنے آپ کو ذریعہ اور وسیلہ سے الگ تھلگ کیا وہ عند اللہ مجرم ہے۔

اسی لیے قدرت نے اپنی فطرت کا اظہار قرآن مجید میں بہت سی جگہوں میں فرمایا ہے۔
مثلاً :جلانے والا، مارنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ارشاد فرماتا ہے:

''یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ج''(۱)

ترجمہ: وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

مگر عالمِ اسباب کے ساتھ زندگی گزارنے پر حکمِ تاکیدی ہوا:

''وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۛ''(۲)

یعنی جہاں ہلاکت اور نقصان میں مبتلا ہونے کا خوف ہو، بچتے رہو۔

روزی دینے والا اللہ ہی ہے، مگر آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ پکی پکائی روٹی خود بخود حلق سے فرو(۳) ہوگئی ہو۔ کاشت کار مشکل سے، بیسوں واسطے اور ذریعے سے غلہ گھر لاتا ہے، پھر بھی روٹی نہیں ہو جاتی، غلہ پسا کر گوندھا جاتا ہے، اس کے بعد روٹی پکتی ہے، پھر منہ میں جب روٹی کا لقمہ دیا جاتا ہے، پھر بھی حلق سے فرو نہیں ہوتی، پہلے دانتوں سے کام لیجیے پھر حلق سے فرو ہونے کے لیے ایک حرکتِ ارادی کا واسطہ چاہتا ہے۔ اگر آپ نے اس واسطہ اور ذریعہ کو پکڑا تو غذا شکم میں پہنچے گی، ورنہ جوں کی توں رہے گی۔

اس طرح سمجھیے کہ بغیر رہبرِ کامل کے راہِ حق کا پانا اور منزلِ مقصود تک پہنچنا غیر ممکن ہے۔ اگر کبھی کسی کا کام انجام پاجائے اور اس کے لیے جذبِ ربانی کافی ہوجائے، ہوسکتا ہے اور یہ ممکن ہے، لیکن شاذ و نادر ہے۔ اور حکمِ عام شاذ و نادر کے لیے نہیں ہوتا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بے وسیلہ کامل کے راستہ سے بھٹک جانے کا خوف ہے۔ پس مسلمانوں اور دینی بھائیوں کو وسیلہ پکڑے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ، رسول اللہ ﷺ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مشائخ کرام، پیرانِ عظام سلسلہ بہ سلسلہ ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تک رسول اللہ

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۲، الحدید: ۵۷.
(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۱۹۵، البقرہ: ۲.
(۳)-فرو = نیچے

ﷺ کے وسیلہ کے بغیر رسائی محال قطعی ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ تک بے وسیلہ مشائخ وعلماے دین رسائی دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صاحبِ شفاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ شفیع ہوں گے اور ان کے حضور علما اور اولیا اپنے اپنے متوسلوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں لکھا ہے کہ مشائخ دنیا و دین و نزع و قبر و حشر سب حالتوں میں اپنے مریدوں کی امداد فرماتے ہیں۔ مسلمانو! اپنی سختیوں کے وقت مدد گار بناؤ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ شَفَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.''(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے بہ کثرت نیک بندوں سے رشتہ وعلاقہ و محبت پیدا کرو کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے علاقہ والوں کی سفارش کرے۔

الغرض وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے: میں تمھاری ہدایت کے لیے دو چیزیں چھوڑ تا ہوں۔ ایک قرآن پاک، دوسری اپنی آل اطہار (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔ اگر تم دونوں کی اتباع کروگے اور ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو ہر گز گم راہ نہ ہوگے۔ آپ نے آل اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ اس لیے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں اگرچہ ہدایت کی کل باتیں موجود ہیں، لیکن اس کے حقیقی معنیٰ کو سمجھانے والے اور اس پر عمل کر کے بتلانے والے یہی حضرات ہیں۔ اس واسطے حضرت مخدوم الملک بہاری علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

''الشَّيْخُ فِيْ قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهِ.''(۲)

یعنی شیخ اپنے مریدوں میں وہ شان رکھتا ہے جو نبیوں کا مرتبہ اپنی امت میں ہوتا ہے۔

اور ماہرینِ حدیث نے اس کو کلامِ رسول اللہ ہونا ثابت فرمایا ہے۔

''عوارف شریف'' میں ہے کہ شیخ کے تابع ہونا اللہ و رسول کے حکم کے تابع ہونا ہے اور

(۱)-(رواه ابن النجار فی تاریخه)

(۲)-مرقاة المفاتيح، باب مناقب عثمان رضی الله عنه، ج:۱۷، ص: ٤١٠.

اس کی سنت کا زندہ کرنا ہے، جب کہ معلوم ہوا کہ شیخ کا حکم، رسول کا حکم ہے اور رسول اللہ کا حکم اللہ کا حکم ہے اور خدائی حکم میں دَم مارنے کا حق نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ"(۱)

ترجمہ: یعنی اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمائیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گم راہی بہکا۔

عزیزانِ من! نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی کا پیغام زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دیا۔ لیکن زینب اور ان کے بھائی نے انکار کیا۔ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو زینب اور ان کے بھائی سن کر راضی ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ آدمی کو اطاعت ہر امر میں واجب ہے۔ اور نبی علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی اپنے نفس کا بھی خود مختار نہیں۔

الغرض حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ کر دیا۔ صحابہ نے حکمِ رسول ﷺ کو حکمِ خدا مانا اور کام انجام پایا۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

(۱)-القرآن الکریم، آیت:۳۶، الاحزاب.

نواں باب
بعض کہتے ہیں کہ مرید ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کے جواب میں

لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مرید ہونے کے بعد بھی منہیات شرعیہ میں لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ نماز پڑھنے کا فائدہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ

''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ''(۱)

بے شک نماز بری باتوں سے روکتی ہے۔

لیکن موجودہ وقت میں زیادہ تر نمازی ایسے ہیں جو رات دن فسق و فجور میں پھنسے رہتے ہیں۔ مناہی میں مبتلا اور اوامر سے اجتناب رکھتے ہیں، توکیا نماز نہ پڑھنی چاہیے؟ اور اگر سچ پوچھیے تو بتاؤں کہ اس نمازی نے نماز ہی نہیں پڑھی اگر پڑھتا تو ضرور فائدہ اٹھاتا اور نماز کا لطف حاصل کرتا۔ جب فائدہ ہی ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ نماز نہیں پڑھی ہے۔ ریا کے طور پر رکوع اور سجدہ کیا ہے۔ پس ایسی نماز سے بے نمازی رہنا بہتر ہے۔ اور اگر یہ فرماتے ہیں کہ نماز تو حکمِ خداوندی ہے اس لیے اسے جاری رہنا چاہیے تو میں بھی کہوں گا کہ مرید ہونا بھی خدا ہی کا حکم ہے تب ہی تو آپ نے اس طریقۂ بیعت کو مسنون مانا ہے۔ علاوہ ازیں میں پوچھتا ہوں کہ تائب ہونے کے بعد گناہ کرنے سے کیا اس کی مغفرت نہیں ہوتی ہے۔ کیا یہ حدیث نہیں ہے کہ جس نے گناہوں سے توبہ کی اور خداوند کریم کی جانب رجوع کیا تو گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔

''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ.''(۲)

باز آ باز آ، ہر آنچہ کردی باز آ گر کافر و بت پرستی، باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ ناامیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۹، العنکبوت: ۲۹.
(۲)-سنن ابنِ ماجہ، کتاب الزھد / باب ذکر توبہ، ص: ۳۱۳.

منکرین کو غور کرنا چاہیے کہ کیا مرید ہونے کے قبل گناہ کرنے کی گرفت نہیں ہوتی ہے؟ ہر حال میں پرسش بھی ہوتی ہے اور عفو بھی ہوتا ہے۔

رسالہ "بیعت الرضوان" میں لکھا ہے کہ جس طرح ایک کافر مسلمان ہونے کے بعد کفر سے توبہ کرتا ہے اور توحید ورسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس کا اسلام قبول کرنا حالتِ کفر سے بدرجہا بہتر ہے، اگرچہ وہ مسلمان ہونے کے بعد خلافِ شرع کاموں میں پھنسا رہے۔ احکامِ الٰہی کی اس نے اتباع نہ کی، کیوں کہ اس میں امیدِ مغفرت ہے اور کفر موجبِ خلودِ جہنم ہے۔ وہ کم از کم خدا اور رسول کے ماننے والوں میں شامل ہے اس لیے اس کا نام دفترِ اسلام میں لکھا گیا۔ اگر گناہ کی وجہ سے خارج اسلام سمجھا جائے گا تو دنیا میں مسلمان ملنا محالات سے ہو جائے گا۔ اس لیے جو لوگ مرید ہونے کے بعد بھی گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، اگرچہ اس کی یہ حرکت ناپسندیدہ اور یقینی جرم ہے، مگر اس کا نام "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"(۱) میں شامل ہو گیا۔ یعنی جس شخص کو جس فرقہ والے سے محبت ہے اس کا حشر اسی گروہ کے ساتھ ہوگا۔ اور مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ(۲) کا اشارہ اسی جانب ہے۔

قرآن کریم نے بھی صاف صاف فرمایا ہے:

"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ"(۳)

ترجمہ: یعنی ہر شخص اپنے پیشواؤں کے ساتھ قیامت کے دن محشور ہو گا۔ لفظ امام سے رسول اور نبی مراد لینا صحیح نہیں۔ امام لفظ عام ہے۔ عام لفظ عام ہی رہتا ہے۔ ورنہ سبحانہ تعالیٰ "بِرَسُوْلِھِمْ" یا "بِنَبِیِّھِمْ" فرمایا۔

الغرض مریدوں کا نام چوں کہ سلسلہ پیرانِ طریقت میں درج ہے اس لیے ان کا حشر بھی اللہ والوں کے ساتھ ہوگا۔ ان شاء اللہ . ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

تا داغِ غلامی تو داریم ہر جاکہ رویم بادشاہیم

(۱)-صحیح البخاری، کتاب الادب / باب علامۃ الحب فی اللہ، ج:۲، ص:۹۱۱.
(۲)-سنن ابی داؤد، کتاب اللباس / باب فی لبس الشھرۃ، ج:۲۰، ص:۵۵۹.
(۳)-القرآن الکریم، آیت:۷۱، بنی اسرائیل، ۱۷.

دسواں باب
فوائدِ بیعت کے بیان میں

امام اجل عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیرووں کی شفاعت کرتے ہیں۔ دنیا و برزخ اور قیامت غرض ہر جگہ کی سختی میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ صراط سے پار ہو جائیں۔ (ملخصًا)[1]

اِسی امام اجل نے اسی کتاب میں فرمایا ہے کہ میں نے کتاب "وجوبہ" میں فقہا و صوفیہ سے ذکر کیا ہے کہ تمام ائمہ، فقہا اور صوفیہ اپنے اپنے مقلدوں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان کے مقلد کی روح نکلتی ہے، جب منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں، جب اس کا حشر ہوتا ہے، جب نامۂ اعمال کھلتے ہیں، جب حساب کتاب کیا جاتا ہے، جب عمل تُلتے ہیں اور جب صراط پر چلتا ہے، غرض ہر حال میں اس کی نگہبانی فرماتے ہیں اور کسی جگہ اس سے غافل نہیں رہتے ہیں۔ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد شیخ الاسلام امام ناصر الدین لقانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب انتقال ہوا، بعض صالحوں نے انھیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا کہ جب منکر نکیر نے مجھ سے سوال کیا اور بٹھایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ ایسا شخص بھی اس کی حاجت رکھتا ہے کہ اس سے خدا عز وجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کے بارے میں سوال کیا جائے؟ اس کے نزدیک سے الگ ہو جاؤ۔ یہ فرماتے ہوئے نکیرین مجھ سے الگ ہو گئے۔

یہ ہیں مشائخ کرام و صوفیاے عظام قدست اسرارھم کہ ہر ہول و سختی کے وقت دنیا و آخرت میں اپنے پیرووں اور مریدوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ چناں چہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"مَنِ اسْتَعَانَ بِيْ فِيْ كُرْبَتِهِ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِيْ فِيْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ

---

(۱)-میزان الشریعۃ الکبریٰ، ج:۱، ص:۳۱

عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِيْ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ حَاجَةٍ قُضِيْتَ لَهُ.''(۱)

یعنی جو کسی تکلیف میں مجھ سے مدد چاہے گا وہ تکلیف دور ہوگی۔ میں اس کی تکلیف کو دور کر دوں گا اور جو کسی سختی میں مجھے ندا کرے گا وہ سختی دور ہوگی، میں سختی کو دور کر دوں گا اور جو کسی حاجت میں مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ بنائے گا وہ حاجت روا ہوگی، میں اس کی حاجت روائی کروں گا۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''بستان المحدثین'' ص:۱۲۱ میں حضرت شیخ ابوالعباس احمد زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شعر نقل کیے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''میں اپنے مریدوں کا اس کی پراگندگیوں میں جامع ہوں جب کہ جورِ زمانہ سختیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرے اور اگر تو تنگی و سختی و حشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار میں جلد آؤں گا۔''

فقہ کی ایک معتبر کتب ''رد المحتار'' کے حاشیہ میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے افادہ فرمایا۔ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا اس کو واپس دلا دے تو ایک بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ہدیہ کر کے سید احمد علوان رضی اللہ عنہ کو پہنچائے اور کہے، اے سید احمد علوان اگر میری گمی چیز تم نے واپس دلا دی تو خیر، ورنہ میں تمھارا نام دفتر اولیا سے کٹوا دوں گا۔ اس عمل سے بہ برکت ان ولی کے اللہ تعالیٰ وہ گمی چیز واپس دلا دے گا۔(۲)

اس دعا میں سید احمد بن علوان کو پکارا، ان سے مدد بھی مانگی، ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی۔ یہ عمل کس نے بتایا؟ حنفی فقہ کے عظیم فقیہ صاحبِ درِ مختار نے۔ اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

---

(۱)- بهجة الاسرار، ص:٤٨.

(۲)- اصل عبارت یوں ہے: قَرَّرَ الزّ يَادِيْ أَنَّ الإنْسَانَ إذَا ضَاعَ لَهُ شَيْءٌ وَاَرَادَ اَنْ يَرَدَّهُ اللهُ سُبْحَانَهُ عَلَيْهِ ، فَلْيَقِفْ عَلٰى مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةِ وَ يَقْرَأُ الفَاتِحَةَ وَ يُهْدِىْ ثَوَابَهَا لِلنَّبِيِّ عَليه السلام ثُمَّ يُهْدِيْ ثَوَابَ ذٰلِكَ لِسَيِّدِيْ اَحْمَدَ ابْنِ عَلوَان. وَ يَقُوْلُ: يَا سَيِّدِيْ احْمَدُ يَا ابنَ عَلْوَانِ إنْ لَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الاَوْلِيَاءِ فَإنَّ اللهَ تَعَالٰى يَرُدُّ عَلٰى مَنْ قَالَ ذٰلِكَ ضَالَّتَهُ بِبَرْكَتِهِ. (الدر المختار، كتاب الآبق، ج:٦، ص:٤٤٧)

(۱) مشکل کے وقت اہل اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا۔
(۲) انھیں فاتحہ کا ثواب پہنچانا۔
(۳) کسی کو فاتحہ کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حضور انور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ کرے، پھر جسے چاہتا ہے ثواب پہنچائے۔ خوب مولانائے روم نے فرمایا۔

اولیارا ہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز گرداند ز راہ

"اشعۃ اللمعات" زیارت قبور میں ہے:
"امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ شود بوے بعد وفات۔"

عزیزانِ من! وہابی اور نیم وہابی کا مذہب ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے۔ چناں چہ "فتاویٰ رشیدیہ" حصہ سوم، ص:٦ پر ہے: سو غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔

علماے دیوبند کی ہستی غنیمت ہے۔ آپس ہی میں ایک دوسرے کو کافر و مشرک و بدعتی کہتے ہیں تو ہم فقیروں کو کون پوچھتا ہے۔
دیوبند کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں۔[۱]

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلۂ حاجات روحانی و جسمانی

مولوی رشید احمد صاحب نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک بتایا اور مولوی محمود الحسن صاحب دونوں جہاں کی حاجتیں انھیں سے مانگ رہے ہیں۔ قبلۂ حاجات انھیں کو کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا مولوی رشید احمد کے حکم سے مولوی محمود الحسن کیا ہوئے۔ اور اگر مولوی محمود الحسن صاحب کو موحد کہا جائے تو رشید احمد صاحب کو ضرور خدا کہنا چاہیے۔ بولو کیا کہتے ہو؟
مولوی محمود صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کہتے ہیں۔[۲]

---

(۱)۔ مرثیہ رشید احمد، ص:۱۰
(۲)۔ مرثیہ رشیدیہ، ص:۱۲

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق تھے
مرے مولا، مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

مولوی محمود الحسن صاحب نے مولوی رشید احمد کو مربی خلائق لکھا ہے جو رب العالمین کے ہم معنیٰ ہے۔ شاید ضرورتِ شعری کی وجہ سے رب العالمین نہیں لائے۔

یہ ہے پیشوائے دیوبند کی عقیدت مندی، کتنے کھلے لفظوں میں اپنے پیر کو ساری مخلوقات کا پالنے والا کہہ رہے ہیں۔ واقعی پیر پرستی اسی کا نام ہے لیکن کوئی بدمذہب ان کو پیر پرست نہیں کہتا ہے مولوی رشید احمد صاحب کے ماننے والوں کو فتاویٰ صادر کرنا چاہیے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیِ مدرسہ دیوبند اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں:
''قصیدہ قاسمیہ''مطبوعہ ساڈھورہ۔

جو انبیا ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار
کروروں جرم کے آگے یہ نام اسلام
کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ مری پکار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیِ کار

اللہ اللہ غیر اللہ کو پکارا بھی جاتا ہے اور مدد بھی مانگی جاتی ہے اور اپنی بے چارگی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے پھر بقول مولوی رشید احمد گنگوہی کے اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھا جاتا ہے لیکن کوئی دیوبندی ان مولاناؤں کو کچھ نہیں کہتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

عزیزانِ من! خود جل شانہ مدبر ہے مگر مجازاً ملائکہ متعیّنہ کو بھی مدبر فرما رہا ہے:
''فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۝''[1]
ترجمہ: قسم ہے ان کی جو تمام عالم میں تدبیریں کرتے ہیں۔

پس کوئی اگر اللہ کے بندوں کی مدد مانگے اس طور پر کہ فاعل حقیقی اللہ کو جانے اس میں

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۵، النازعات: ۷۹.

کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے حکم سے معلوم ہوا کہ انبیاے کرام و اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے جب کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو اللہ ہی سے ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔ کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ دیوبندیوں کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب اپنے ترجمہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے ماتحت لکھتے ہیں کہ "ہاں اگر کوئی مقبول بندے کو واسطہ ورحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے، یہ استعانت در حقیقت اللہ ہی سے ہے۔" ایسے ہی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے "امداد الفتاویٰ" میں لکھا ہے کہ "اس طرح کی استعانت جائز ہے۔ خواہ مُردے سے استعانت کرے یا زندہ سے۔" مضیٰ ما مضیٰ

انبیا کو پکارنا، ندا کرنا جب کہ تقویۃ الایمان نے شرک بتایا ہے، شریعت نے اس کو عبادت میں داخل کیا ہے۔

حدیث: امام ترمذی اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک نابینا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں کھول دے۔ فرمایا: وضو کر پھر دو رکعت پڑھ پھر یہ دعا کر:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهت بِكَ اِلٰى رَبِّي فِيْ حَاجَتِيْ هذه لتقضي لِيْ اللّٰهم فَشَفِّعْه فِيَّ."(۱)

حدیث صحیح ہے محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ صحاح کی تین کتابوں میں مروی ہے الفاظ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نابینا کو حکم فرمایا کہ اس طرح دعا کرو یارب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری آنکھیں کھول دے، یارب میرے حق میں اپنے حبیب کی شفاعت قبول فرما۔ راوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔

نجدی المذہب مولوی پیغمبروں کے پکارنے کو شرک بتاتا ہے۔ حدیث میں آپ نے

(۱)-جامع الترمذی، ابواب الدعوات / باب، ج:۲، ص:۱۹۷

دیکھا کہ شرک کے مٹانے والے حضور پر نور ﷺ نے یا محمد ﷺ پکارنا اور اپنے نامِ پاک کے وسیلہ سے دعا کرنا تلقین فرمایا اور وہ ایسا کام آیا کہ نابینا کو حضور علیہ السلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بینا کر دیا۔

حدیث: علامہ قاضی عیاض نے "شفا شریف" میں نقل فرمایا ہے کہ "ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں مبارک سو گیا تھا کسی نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے سب سے پیارے کا نام لیجیے تو یہ کیفیت دور ہو جائے گی یہ سن کر انھوں نے ایک نعرہ مارا "یا محمداہ" اور پاؤں اچھا ہو گیا۔"[۱]

بات یہ ہے کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے۔ دنیا کا بادشاہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ سلطنت کے کاموں کو دوسروں کے سپرد کرتا ہے اور وہ شخص ہر کام بادشاہ کے منشا کے موافق انجام دیتا ہے۔ بلا واسطہ اس کے ہاتھوں سے نہیں ہوتا ہے۔ حالاں کہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے مگر رعب شاہی کا تقاضا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہ دنیا نے قانونِ سلطنت الٰہیہ کے قانون سے لیا ہے۔

بقولہ تعالیٰ: "فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا"[۲] حالاں کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا و چھوٹا کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمائے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا۔ اور ان کے سپرد علاحدہ علاحدہ کام دیے۔ جان نکالنے کا ایک کے سپرد۔ یوں ہی انسان کی حفاظت رزق پہنچانا، بارش پہنچانا، ماں کے پیٹ میں بچہ بنانا، ان کی تقدیر لکھنا، مدفون میتوں سے سوالات کرنا، صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ قیامت کو قائم کرنا، پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیے۔ اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کو عالم کا انتظام سپرد فرمایا اور ان کو اختیارات خصوصی بھی عطا فرمائے۔ کتب تصوف کے مطالعہ سے معلوم ہوگا اس کی وجہ یہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا

(۱)-الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ / فصل فیما روی عن السلف والأئمة من محبتهم ﷺ وشوقهم، ج:۱، ص:۲۷۲

(۲)-القرآن الکریم. آیت:۵، النازعات:۷۹. ترجمہ: پھر کام کی تدبیر کریں۔ (کنز الایمان)

محتاج ہے بلکہ اپنی سلطنت کا بھی تقاضا ہے۔

حدیث: ابن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے:

"الأَبْدَالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلاً كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ رَجُلاً يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ."[1]

یعنی ابدال شام میں رہتے ہیں۔ یہ چالیس مرد ہیں جب ان میں سے کسی کا وصال ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدل اور قائم مقام فرما دیتا ہے۔ ان ابدال کی برکت سے ابر کو سیرابی دی جاتی ہے۔ یعنی ابر ان کی برکت سے بارش کرتا ہے اور دشمنوں پر ان ہی کی برکت سے فتح ملتی ہے اہل شام سے عذاب رفع کیا جاتا ہے۔ برکت کچھ اہل شام کے ساتھ خاص نہیں۔ حدیث شریف میں اہل شام کا ذکر قرب و جوار کی وجہ سے ہے کہ شام ان حضرات کا مقام ہے ورنہ ان کی نصرت سے تمام عالم فائدہ اٹھاتا ہے۔ خاص کر جو ان سے استعانت اور طلب مدد کرے۔

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں "اشعۃ اللمعات" جلد ۴ مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۷۵۷ میں فرماتے ہیں:

"وتخصیص باہل شام بجہت قرب وجوار و مزید ارتباط ایشاں خواہد بود والا برکت و نصرت ایشاں عالم را شامل است خصوصاً کسے کہ استنصار کند از ایشاں۔"

اسی مضمون کے مؤید وہ حدیث تو حاشیہ میں بحوالہ مرقات بروایت ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ وارد ہیں۔

"بِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ."[2]

---

(۱)-مشكاة المصابيح، كتاب المناقب/ باب ذكر اليمن والشام و ذكر اويس قرني، ص:۵۸۲ - ۵۸۳

(۲)-مرقاة المفاتيح، باب ذكر اليمن والشام، ج:۱، ص:۴۸

یعنی اس کی بدولت اس امت سے بلا دفع کی جاتی ہے.

اب تقویۃ الایمانی شرک کا مزاج پوچھیے۔ روزی کی کشائش، فتح و شکستِ دنیا اور بلا دفع کرنا سب حدیث شریف میں ابدال کے لیے ثابت فرمایا گیا، اب وہابی اپنے عقیدہ سے توبہ کر کے ''تقویۃ الایمان'' کو آگ میں پھونکیں گے، یا معاذ اللہ قرآن و حدیث پر بھی شرک کا حکم جاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے.

جو لوگ اللہ کے عطا کیے ہوئے کمالات اس کے بندے کے لیے ثابت کرتے ہیں اور کمالات کو عطائے الٰہی جانتے ہیں وہ مشرک نہیں مثلاً کوئی شخص آدمی کو سمیع و بصیر کہے اور اعتقاد یہ رکھتا ہو کہ اللہ نے اس کو سمع و بصر عطا فرمائی وہ مومن ہے مُوَحّد ہے، مشرک نہیں۔ مشرک جب ہوتا کہ اعتقاد کرتا کہ انسان کے لیے سمع و بصر ذاتی ہے اور وہ شخص کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

''فَجَعَلْنَا سَمِيعًا بَصِيرًا.''(۱)

یعنی ہم نے انسان کو صاحبِ سمع و بصر کیا.

باوجودے کہ قرآن میں سمیع و بصیر اللہ تعالیٰ کی صفات میں وارد ہے لیکن پھر بھی انسان کو سمیع و بصیر فرمایا گیا، یہ شرک نہیں، کیوں کہ انسان کے لیے جو سمع بصر ثابت کی گئی وہ عطاے الٰہی سے ہے تو وہ بے نیاز نہ ہوا۔ لہٰذا شرک نہیں یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے کسی ایک ذرہ پر قدرت، یا اختیار، یا علم ثابت کرنا اگر بالذات ہو تو شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے ماننا شرک نہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ عطاے کمال کسی کے لیے ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں ہو سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات ذاتی ہیں کسی سے حاصل کیے ہوئے نہیں ہیں۔ لہٰذا کسی کے لیے کمالِ عطائی ماننے سے شرک لازم نہیں آیا۔

الغرض دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیے ۔ اسی طرح مقبول بندوں کے سپرد عالم کا انتظام فرمایا اور ان کو اختیارات خصوصی بھی عطا فرمائے کتب تصوف کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا محتاج ہے بلکہ اپنی سلطنت

---

(۱)-القرآن کریم، آیت: ۲، الانسان: ۷٦.

کا یہی تقاضا ہے اور ان حضرات کو خصوصی اختیارات دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم یہ کرسکتے ہیں یہ محض قیاس نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث ہے۔

عزیزانِ من! خوب سمجھو اور غور کرو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

''اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝'' (۱)

ترجمہ: ''اے مریم! میں رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔''

معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول نقل کیا ہے:

''اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ.'' (۲)

یعنی ''میں تمھارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمھارے رب کی طرف سے کہ میں تمھاری مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے، اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمھیں بتاتا ہوں تم جو کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باذن الٰہی بے جان کو جان بخشیں اور فرمایا کہ میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ اس قسم کی کتنی آیات الٰہیہ ملیں گی جن سے خدائی کاموں کی بندوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جل شانہ فرماتا ہے:

''یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ'' (۳)

''اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ'' (۴)

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۱۹، مریم: ۱۹.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ٤۹، آلِ عمران: ۲

(۳)-القرآن الکریم، آیت: ۱٦٤، آلِ عمران: ۲-

ترجمہ: اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ (کنزالایمان)

(۴)-القرآن الکریم، آیت: ۷٤، التوبۃ: ۹.

ترجمہ: اللہ ورسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔ (کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ حضور پر نور شفیع یوم النشور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

حدیث: مشکاۃ شریف میں ربیعہ ابن کعب اسلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بروایت مسلم ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا:

"سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ."[1]

ترجمہ: یعنی حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کچھ مانگ لو۔ میں کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا کہ صرف یہی۔ فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جنت مانگ لی تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا کہ وہ تو منظور ہے، کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے پھر لطف یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی فرماتے ہیں۔ اے ربیعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ! تم بھی اس کام میں اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے طلبِ مدد ہے۔

عزیزانِ من! اس حدیث پاک کے تحت "اشعۃ اللمعات" میں ہے:

"واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نکرد، نہ مطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد وہر کہ را خواہد باذن پرور دگار خود بدہد۔"

شیخ عبد الحق عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے اسی عبارت سے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مانگو۔

محمد از تو می خواہم خدا را — خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

"وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ."[2]

اور اے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے نعمت دی۔

---

(۱)-مشکاۃ المصابیح، باب السجود و فضلہ، ص: ۸٤.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۳۷، الاحزاب: ۳۳.

دیکھیے قرآن پاک میں حضور کا غنی کر دینا، عطا فرمانا، نعمت دینا بیان کیا گیا ہے۔ وہابی قرآن پاک کے خلاف اس کو کس کے حکم سے شرک قرار دیتے ہیں۔ یہ کیسا شرک ہے جو جابجا قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

مسلمانو! یادرکھو انبیا و اولیا کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جو صفت بخشی وہ صفت اللہ کی عطا سے ہے۔ خدا کی صفت ذاتی اور ان کی عطائی۔ خدا کی صفت قدیم، ان حضرات کی حادث۔ خدا کی صفت کسی کے قبضہ میں نہیں، ان کی صفت خدا کے قبضہ میں ہے۔ اتنے فرق ہونے کے بعد شرک کیسا؟ قرآن پاک فرماتا ہے:

''وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ''(۱)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

''نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ''(۲)

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے۔ مگر رب بالذات مددگار اور یہ بالعطا۔ خوب سمجھ لو کہ غیر اللہ میں مردہ و زندہ دونوں برابر ہیں اگر مردہ کو غیر اللہ مانا جائے تو زندہ کو عین اللہ کہنا چاہیے۔ صفت ذاتی جس کے لیے مانا جائے وہ شرک ہے۔ وہابی وگلابی وہابی کہتا ہے:

اعتراض:

وہ کیا شے ہے جو نہیں ملتی خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

جواب:

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے — اسے ہم مانگتے ہیں اولیا سے
توسل کر نہیں سکتے خدا سے — اسے ہم مانگتے ہیں اولیا سے

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۷۱، التوبہ: ۹

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ [کنزالایمان]

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۳۱، حٰمٓ السجدۃ ۴۱.

ترجمہ: ہم تمھارے دوست ہیں، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ [کنزالایمان]

اعتراض: بعض جاہل کہتے ہیں کہ خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں۔ ہم اس کے بندے ہیں چاہیے کہ اس سے حاجتیں مانگیں۔

جواب: ہم خدا کے بندے ہیں خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں اور خدا نے ان بندوں کو اس لیے دنیا میں بھیجا ہے۔

عزیزانِ من! صحابہ کا یہ اعتقاد تھا اور آج تک اچھوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مراد پوری کرنا، حاجت برلانا، بلا ٹالنا، مشکل کے وقت دست گیری کرنا، تندرستی عطا فرمانا اپنے حبیب کے ہاتھ دیا ہے۔ اس لیے جب ٹانگ ٹوٹی، مشکل رونما ہوئی، بلا میں مبتلا ہوئے، صحت کے حاجت مند ہوئے، تندرستی کی مراد دل میں لے کر خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور حضور کے صدقہ سے دم میں شفا پائی۔

حدیث: ایک واقعہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا کہ جنگ خیبر میں ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ فرماتے ہیں:

”فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَنَفَثَ فِيْهِ ثلٰث نفثات.“[۱]

نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور نے تین دفعہ دَم فرمایا۔ اس وقت سے آج تک درد کی شکایت نہیں ہوئی۔

حدیث: مشکاۃ، نیز ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں بیمار تھا، حضور مجھ پر گزرے۔ شدتِ مرض میں میں دُعا کر رہا تھا کہ یارب اگر وقت آگیا ہے تو مجھے موت کے ساتھ اس مرض کی تکلیف سے راحت دے اور اگر ابھی زندگی باقی ہے تو تندرستی کے ساتھ زندگانی میں وسعت عطا فرما۔ اور اگر یہ مرض بلا ہے تو صبر عنایت کر۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے وہ کلمے دوہرائے:

”فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَافِهِ أَوْ اَشَفِهِ قَالَ: فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجَعِيْ بَعْدُ.“[۲]

اس پر حضور ﷺ نے ٹھوکر ماری اور فرمایا: یارب اس کو عافیت عطا فرما، یا شفا عطا

---

(۱)۔مشکاۃ المصابیح، کتاب الفتن/ باب فی المعجزات، ص:۵۳۳

(۲)۔مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، مناقب علی بن ابی طالب □، ص:٥٦٥

فرما۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر اس کے بعد مرض کی مجھے کبھی شکایت ہی نہیں ہوئی۔

عجب شان ہے کہ ٹھوکر سے بیمار کو تندرست کرتے ہیں۔ وہابی کی ٹیڑھی آنکھ سے شرک ہی نظر آتا ہے۔ یہ حدیثیں انھیں نظر نہ آئیں اور مولوی اسماعیل صاحب مولف "تقویۃ الایمان" نے مدنی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں لکھ دیا کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

تقویۃ الایمان کے حکم سے صراط مستقیم کی عبارت شرک اور مولوی اسماعیل اپنے حکم سے آپ مشرک ہوئے یا نہیں، خود اپنا فیصلہ کریں۔

صراطِ مستقیم مولفہ مولوی اسماعیل دہلوی ص:۱۱۲ میں لکھا ہے:

"ارباب ابن مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند وایں کبار اولی الایدی والابصار می رسد کہ تمامی کائنات را بسوئے خود نسبت نمایند مثلا ایشاں را می رسد کہ بگویند کہ از عرش تا فرش سلطنت ماست۔"

یعنی اس رفیع نسبت کے لوگ عالم مثال و عالمِ شہادت میں تصرف کرنے کا حق کامل رکھتے ہیں۔ ماذون مطلق ہیں ان بڑے قدرت والوں کا حق ہے کہ تمام کائنات کی اپنی طرف نسبت کریں اور کہہ دیں کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔

یہ وہی "تقویۃ الایمان" کا مولف ہے جو "تقویۃ الایمان" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت کہتا ہے کہ وہ کسی چیز کے مختار نہیں ہیں اور ان کے چاہے سے کچھ نہیں ہوتا اور ان کی نسبت ایسی عقیدت رکھنا داخلِ شرک قرار دیا ہے اور خود ہی "صراط مستقیم" میں اولیا کے لیے تصرف تام اور اختیار کامل مان کر اور یہ کہہ کر بقول خود مشرک ہو گیا کہ "ان کا حق ہے کہ وہ تمام عالم کو اپنی سلطنت بتائیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عناد بدنصیب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک سے ہے۔

سنو! حدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ."(۱)

مدنی آقا نے فرمایا: اے عائشہ میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے۔

---

(۱)-مشكاة المصابيح، باب في اخلاقه و شمائله النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ٥٢١.

یہ ہے تصرف واختیار، یہ ہے حکومت واقتدار جو اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔ جن سے نہ دیکھا جائے وہ اپنی آنکھیں پھوڑیں اور سروں پر خاک ڈالیں۔

حدیث: امام ترمذی ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت کی کہ ایک اعرابی نے حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں کس دلیل سے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں فرمایا: اس دلیل سے کہ میں اس درخت خرما کے خوشہ کو بلاتا ہوں وہ میری رسالت کی گواہی دے گا۔ حضور نے اس کو بلایا وہ درخت سے اترنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور کی طرف گرا اور رسالت کی گواہی دی۔ پھر اس کو واپس ہونے کا حکم دیا وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ [۱]

یہ دیکھ کر اعرابی اسلام لایا، یہ ہیں تصرفات، خوشہ کو حکم دیں تو درخت سے اتر کر حاضر ہو درخت کو ایما ہو تو زمین چیرتا ہوا خدمت میں پہنچے اور حضور کے مرتبہ کو پہچانے رسالت کی شہادت دے، خوشہ اور درخت تو اس تصرف کا معترف ہو سکتا ہے۔ اعرابی یہ دیکھ کر اسلام لے آتا ہے، مگر وہابی پر کچھ اثر نہیں، وہ احادیث دیکھتا ہے اور منکر کا منکر رہتا ہے۔

"وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ." [۲]

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں جو پہاڑ درخت سامنے آیا اس نے اس طرح سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یارسول اللہ۔ [۳]

اب ہم حضور کے غلاموں کی شان وتصرف واختیار کچھ عرض کروں۔

حدیث: حضرت محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ سرزمین روم میں حضرت سفینہ لشکر کی راہ بھول گئے۔ جنگل میں لشکر کو تلاش کرتے پھرتے تھے کہ ایک شیر سامنے آگیا تو آپ نے اس سے فرمایا اے شیر میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غلام ہوں اور اس طرح راہ گم کردہ ہوں۔

یہ سنتے ہی شیر خوشامد کرتے سامنے آیا اور آپ کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا جب کوئی کھٹکا ہوتا اس طرف متوجہ ہو جاتا پھر آپ کے پہلو میں آجاتا۔ اسی طرح شیر آپ کے ساتھ چلتا رہا۔

---

(۱)-مشکاۃ المصابیح، باب المعجزات، ص: ۵٤١.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۲۱۳، البقرۃ: ۲۰-

ترجمہ: اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ [کنزالایمان]

(۳)-مشکاۃ المصابیح، باب المعجزات، ص: ۵٤٠.

یہاں تک کہ لشکر میں پہنچنے پر شیر واپس ہو گیا۔ (۱)

یہ دیکھیے غلاموں کی حکومت آقا ﷺ کا نام لیا اور جنگل کے درندے مطیع ہو گئے اور بجاے ایذا پہنچانے کے محافظ بن گئے اور خدمت گار ہو گئے۔

یہ ہے مصطفائی اقتدار اور محمدی اختیار جن کا نام پاک محمد ہے اس کے غلام شیروں پر حکومت کرتے ہیں۔

تقویۃ الایمان والے دشمن دیں نے کیسے کہا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

عزیزانِ من! اللہ کے محبوب حضرت مصطفیٰ ﷺ کی فرماں برداری اور غلامی کرنے والے اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمایا:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.'' (۲)

ترجمہ: فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تمھیں اللہ محبوب رکھے گا۔

پھر محبوبِ خدا کے اختیارات جو بارگاہِ الٰہی سے انھیں عطا ہوئے ان کا شمار کون کر سکے۔

حدیث: حضور اقدس سید المحبوبین ﷺ نے فرمایا:

''قَدْ أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنَ الاَرْضِ.'' (۳)

ترجمہ: مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں۔

آخر میں اتنا سمجھ لو کہ وہابی و نیم وہابی کے مدرسوں میں بدعات و شرکیات کے کارخانے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے جس فعل پر حکم دیا جاتا ہے وہ سوائے شرک و بدعت کے دوسری بات جانتے ہی نہیں۔ جن صاحب کو میری تحریر کی تحقیق منظور ہو ان کو بدمذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اپنی آنکھوں سے حق و باطل کو سمجھ لیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہِ مستقیم پر لائے۔ آمین یا رب العالمین.

---

(۱)-مشكاة المصابيح ،باب الكرامات، ص: ٥٤٠.

(۲)-القرآن الكريم، آیت: ۳۲، آلِ عمران: ۳.

(۳)-رواه البخاری والمسلم عن عقبه ابن عامر كذا فی المشكاة، باب وفاة النبي ﷺ، ص: ٥٤٧

گیارہواں باب
بعض کہتے ہیں کہ شیخ کامل نہیں ملتا ہے اس کے جواب میں

بعض کا یہ کہنا ہے کہ شیخ کامل نہیں ملتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اگر فرمائے کہ شیخ کامل سے دنیا خالی ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ کبھی بھی یہ دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں اور نہ ہوگی۔

حدیث: ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے "مرقاۃ المفاتیح" میں ابن عساکر سے بروایت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ والوں کی برکت سے اس امت سے بلائیں دفع ہوتی ہیں۔

اور حضرت مخدوم بہاری "مکتوبات صدی" میں فرماتے ہیں کہ "دنیا میں ہر وقت چار ہزار تین سو اڑتالیس اولیاء اللہ موجود رہتے ہیں، جب ان میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرے کو دی جاتی ہے۔"

اور اگر اہل اللہ سے دنیا کو خالی نہیں مانتے ہیں تو تلاش کیوں نہیں کرتے ہیں؟ گھر سے کیوں نہیں نکلتے ہیں؟ جستجوے یار میں اپنے آپ کو حیران و پریشان کیوں نہیں کرتے ہیں؟ جناب کا تلاش نہ کرنا یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ کو پیر اور رہبر کامل و ہادی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو دنیا کی ساری ضرورتوں پر لات مار کر تلاش کرتے۔ کیوں کہ آئے دن کا تجربہ ہے کہ کوشش و تدبیر کے بعد کامیابی ہوتی ہے۔ خود آپ اپنی آنکھوں سے اپنے اعمال کو ملاحظہ فرمائیں کہ جب اپنے لاڈلے بچے کو اسکول میں داخل کرانا چاہتے ہیں تو پہلے ہیڈ ماسٹر

سے مل کر دریافت کرتے ہیں۔

ذرا غور کیجیے کہ ظاہری علم کے لیے اس قدر کوشش اور باطنی و روحانی علم اور مرض کے علاج سے بے حد لا پرواہی برتی جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ محض اس لیے کہ اصلاح دین پر اصلاح دنیا کو مقدم رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل نہیں ملتا ہے تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے دروازے پر شیخ کامل آکر آپ کو گھسیٹ کر مرید کرے؟

اولاً تو ان کی یہ آواز ہے:

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر د حاجت درباں دریں درگاہ نیست

ثانیاً: اگر کوئی رہبر دروازے پر آجائے تو بجائے حسن ظن کے فوراً بدگمان ہو جائیں گے۔ اور یہ کہیں گے کہ اگر یہ صاحب رہبر کامل اور شیخ کامل ہوتے تو گھر ہی پر اللہ اللہ کرتے اور ہر وقت تسبیح کا دانہ شمار کرتے۔ ایسے بد نصیب کو کیا کہیے؟ او خدا کے بندے! اگر مرید ہونا نہیں چاہتے ہو، نہ ہو، مگر حسنِ ظن سے تو کام لو اور خود کو بدگمانی سے بچاؤ، کیوں کہ بدگمانی خبیث دل میں پیدا ہوتی ہے۔ نیک گمان رکھو اور اگر مرید ہونا نہ چاہو تو ملاقات ہی کی غرض سے حاضر ہو کر غور کرو کہ ان کے نزدیک اللہ یاد آتا ہے یا نہیں؟ ان کا اخلاق خلق محمدی (ﷺ) سے ملتا جلتا ہے یا نہیں؟ عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے یا نہیں؟

محبانِ من! اللہ والے گوشہ نشین بھی ہوتے ہیں اور سیاح بھی ہوتے ہیں، اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اگر نیت اچھی ہے تو سب اچھا ہے ورنہ دونوں برے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب نیت کے بتائے بغیر کسی کو علم نہیں ہو سکتا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہے، پس ہر ایک کے ساتھ حسن ظن رکھو یہ ایک بڑی عبادت ہے اور یہ کہنا کہ ہم طالب خدا ہیں، کوئی شیخ کامل نہیں ملتا۔ یہ محض لفاظی ہے دراصل اصلاح دین کی ضرورت نہیں ہے۔ مد نظر اصلاح دینا ہے۔

بارہواں باب
شیخ کامل کی پہچان

''الطُّرُقُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ.''
یعنی اللہ تک اتنے راستے ہیں کہ جتنی مخلوق کی سانسیں ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں اس لیے راستے کے اعتبار سے الگ الگ روش کا ہونا ضروری ہے۔

حدیث قدسی: ''اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ.''
یعنی میرے دوست میرے دامن کے نیچے ہیں انھیں غیر نہیں پہچان سکتے۔

اس لیے اللہ والوں کی پہچان کا کوئی خاص قاعدہ اور قانون نہیں ہے۔ البتہ یہ دیکھنا ضرور ہے کہ صاحب اجازت ہیں یا نہیں؟ ان کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے یا نہیں، ان کا اخلاق، اخلاقِ محمدی (ﷺ) سے ملتا جلتا ہے یا نہیں؟ اتباع سنت کا پورا پورا خیال کرتے ہیں یا نہیں، ان کے دل میں درد و محبت ہے یا نہیں؟ اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ ان کی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے یا نہیں؟

رسول اعظم ﷺ فرماتے ہیں:
''خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ.''[1]
ترجمہ: یعنی خدا کے بندے وہ بہتر ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ''مرقاۃ شرح مشکاۃ'' میں فرماتے ہیں کہ اس نور الٰہی اور محبت ایزدی کو جو سرکار دوعالم ﷺ کے سینہ اطہر میں ودیعت رکھی گئی ہے۔ طلب کرنا چاہتے ہو تو صوفیوں اور درویشوں سے طلب کرو، تم اس کو ان کے سینے میں پاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ محبت اور

(۱)۔مسند احمد بن حنبل، حديث عبد الله بن غنم الاشعري، ج:٤، ص:٢٢٧

عشق الٰہی جو بنی آدم کی علت غائیہ ہے۔اس کا خزینہ اللہ والوں کا سینہ ہے:

عشق آں شعلہ ست کہ چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ "لا" در قتل غیر حق بر اند
در نگر آخر کہ بعد از لا چہ ماند
ماند "الا اللہ" باقی جملہ سوخت
مرحبا اے عشق! شرکت سوز رفت

الغرض اشتیاق محبت میں دل کا بے قرار رہنا اور آتش فراق سے دل کا کباب ہونا شیخ کامل کی پہچان ہے۔جس شخص میں شورش محبت و دیوانگی عشق نہ ہو وہ راہ حق سے کوسوں دور ہے۔مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ہر چہ غیر از شورش و دیوانگی ست اندریں رو دوری و بے گانگی ست

یہاں تک کہ محبت سے گزر کر محویت اور استغراقی کیفیت کو پہنچے کہ غیر نظر سے معدوم ہوجائے اور حق حقیقت جلوہ فرمائے۔

عزیزان من !علماے ظاہر کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے محروم رکھا ہے۔علماے ظاہر سے اس نعمت کو طلب کرنا غلطی اور عدم فہمی ہے۔میں مانتا ہوں کہ علماے ظاہر احکامِ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں مگر ان کی محبت، محنت و ریاضت اور معاوضہ پر ہوا کرتی ہے وہ یہ کہ اگر اتباع نہ کریں گے تو جہنم کو جائیں گے، بہشت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔حور و غلماں میسر نہ ہوں گے،اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر عمل صالح نہ کریں گے تو لوگوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہوجائیں گے۔اس لیے یہ اپنا ظاہر اچھا رکھتے ہیں اور باطنی پہلو کا خیال نہیں کر سکتے ہیں اور بالکل لاپرواہ رہتے ہیں۔اگرچہ باطن میں حسد، بغض، کینہ، تکبر، غرور، حب مدح، طلب شہرت، تعظیم امرا، تحقیر فقرا، اتباع شہوات، حرص، بخل، سوے ظن اور خباثت سے گندہ ہو رہا ہو۔بہ خلاف علماے باطن و شیخ کامل کے کہ یہ حضرات ظاہری پہلو کا چنداں خیال نہیں فرماتے ہیں، ہر وقت باطنی پہلو کی درستی میں لگے رہتے ہیں۔

عزیزان من! جتنے طرق اولیاء اللہ کے دنیا میں رائج ہیں اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ ہر گروہ باطنی پہلو کی خوبیاں پیدا کرنے میں حریص ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ اسی جماعت کی تعریف میں فرماتے ہیں:

کاسۂ چشم حریصاں پر نہ شد تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد

یہاں پر حریص سے مراد صوفی ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفیا کا کاسۂ چشم کبھی بھی پر نہیں ہوسکتا ہے۔ قناعت تو ظاہری مولویوں کا حصہ ہے کہ تھوڑا علم ہوا اور بس خود کو علامۂ وقت سمجھنے لگے اور دوسروں کو مشرک اور بدعتی کہنے لگے۔ صوفیوں کا دل صدف نہیں ہے کہ ایک ہی قطرہ موتی بن جائے اور صبر ہوجائے۔ صوفی کی حقیقی شان یہ ہے کہ جتنی ترقی ہوتی جائے بھوک بڑھتی جائے گی۔ اور اپنے آپ کو حقیر اور ناچیز سمجھتے جائیں گے۔ جس کسی کو یقین نہ ہو، متقدمین اور متاخرین صوفیاے کاملین کے حالات کا مطالعہ کرے اور یقین کرے دراصل اس جماعت کا عمل اس حدیث پر ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ لَایَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ بَلْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ."

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی صورت اور اموال کو نہیں دیکھتا ہے۔ بلکہ دلوں اور اس کے کاموں کو دیکھتا ہے۔

پس باطنی کمالات ضروریات سے ہیں اور باطنی کمالات تک پہنچنا بے وسیلۂ پیر بہت کم اور نادر ہے:

نفس را نکشد بغیر از ظلِّ پیر دامن آں نفس کش محکم بگیر

الغرض جو شخص باطنی پہلو کو گندگی و نجاست سے بچاتا ہے وہ شخص اچھا ہے اور اگر وہ شخص کسی سلسلہ کی اجازت و خلافت رکھتا ہے تو وہ اپنے وقت کا شیخ کامل اور پیر صادق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علیم و دانا ہے۔

تیرہواں باب
مُرشدوں کے آداب کے بیان میں

مخلوق کی ہدایت کرنی انبیا علیہم السلام کی سنت ہے اور اولیاء اللہ اس کام کو انبیا کی نیابت میں کرتے ہیں۔ لہٰذا صاحبِ ارشاد کو احمقوں کا طعن سن کر کام سے الگ تھلک نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝''(۱)

یعنی اگر لوگ آپ کی تکذیب کریں تو مطلقاً غم نہ کیجئے کیوں کہ آپ سے پہلے جو نبی آئے تھے ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی حالاں کہ ان کے پاس بھی ثبوت کے واضح دلائل تھے۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ سے انبیا کی مخالفت ہوتی آئی ہے۔ اور جب اصل کی مخالفت ثابت ہے تو قائم مقام کی مخالفت لازمی اور لابدی ہے۔

سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے خوب کہا ہے کہ ''جس کا کوئی مخالف نہیں ہے وہ بدنصیب ہے۔'' واقعہ یہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کوئی بڑی ہستی دنیا میں نہیں ہوئی، جس کی لوگوں نے مخالفت نہ کی ہو۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک بعدہٗ خلیفہ اول سے لے کر موجودہ وقت کی ہر بڑی ہستی مخالفوں کی مخالفت سے نہ بچی۔ پس صاحب ارشاد کو رشد وہدایت میں مشغول رہنا چاہیے۔

صاحبِ ارشاد کو ہمیشہ مریدوں کے نزدیک باوقار رہنا چاہیے۔ مریدوں سے زیادہ بے

---

(۱)۔القرآن الکریم، آیت: ۱۸٤، آلِ عمران: ۳.

تکلف نہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ مرشد کی عزت اگر مرید کے دل میں کم ہوگئی تو مرید اپنے پیر سے فیض حاصل نہ کر سکے گا اور مرید پر مرشد کے تمام فیوض کے دروازے بند ہوجائیں گے۔ لہٰذا مرشد کا قول وفعل جس سے مرید کو نقصان پہنچے نہ کرنا چاہیے اور ہر وہ قول وفعل جس سے مرید کو فائدہ پہنچا کرے، موجودہ وقت میں مرید کی دنیاوی باتوں میں دخل نہ دے۔

محبانِ من! مریدوں کو فائدہ پہنچانا مرشد کا فرض منصبی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی شان میں مروی ہے۔

حدیث:''مَنْ يَرَاهُ عَنْ بَعِيْدٍ هَابَهُ وَمَنْ يَرَاهُ عَنْ قَرِيْبٍ أُحِبُّهُ.''

ترجمہ: جو شخص حضرت محمد ﷺ کو دور سے دیکھتا تھا، ہیبت کھاتا تھا اور جو قریب سے دیکھتا تھا، محبت کرتا تھا.

اور مرشدوں کو مریدوں سے ناخوش نہ ہونا چاہیے اور اگر ناخوشی کی حرکت ہو بھی جائے تو بظاہر فائدہ پہنچانے کے خیال سے ڈانٹ ڈپٹ سے کام لینا چاہیے لیکن دل سے نہیں، کیوں کہ نرمی مرشدوں سے غالب رہے اور ان کے قصوروں اور خطاؤں کو معاف کرتے رہنا چاہیے۔ اور بہت ہی شفقت و محبت سے نصیحت کریں کیوں کہ رؤف ورحیم آقا حضور علیہ السلام کا طریق ہدایت اسی طرح تھا۔ نیز صاحب ارشاد کو انشاے طریقہ پر حریص ہونا چاہیے، کیوں کہ سرکارِ مدینہ ﷺ میں یہ ساری صفتیں تھیں۔

حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کا ارشاد ہے:

حدیث:''لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ مَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كذبهم وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ.''(۱)

یعنی میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو خدا کی باتوں کو انجام دے گی، مخالف ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا اور ان کو پائمال کرنے والی نیت کبھی سرسبز نہ ہوگی۔" اور جب

(۱)-صحيح البخاری، كتاب المناقب/ باب سؤال المشركين أن يريهم النبی ﷺ آية فاراهم انشقاق القمر، ج:۱، ص:٥١٤

صاحب ارشاد نائب پیغمبر ٹھہرے تو مخالفت ضرور ہوکر رہے گی۔ لہٰذا صاحب ارشاد لوگوں کے طعن و تشنیع کی جانب مطلق توجہ نہ کرے اور اپنے کام کی انجام دہی میں سرگرم رہے۔

الغرض! مرشد کی یہ شان ہے کہ جو کرے وہ اللہ کے لیے کرے۔ مرشد کی مختلف تعریف ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ صوفی وہ ہے کہ جس سے عالم حسد کرے، جاہل طعن کرے، دشمن نقصان پہنچانے میں کوشاں رہے، دوست ملامت کرے، اور صوفی زبان حال سے یہ کہے:

جاہل اگر ز جاہلی طعنہ زند مرنج
او ہست بے خبر ز علوِّ مقامِ ما

چودھواں باب
مُریدوں کے آداب کے بیان میں

حضور مخدوم الملک بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”مکتوبات صدی“ میں فرماتے ہیں:

”اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِیْ فِیْ اُمَّتِهٖ.“(۱)

یعنی شیخ اپنے مریدوں میں وہ مرتبہ رکھتا ہے جو نبیوں کا مرتبہ اپنی امت میں ہوتا ہے اور اکابر فن حدیث نے اس کو حدیث ہونا ثابت فرمایا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ”جامع صغیر“ میں اس کا حدیث ہونا دو طریق سے ثابت فرمایا ہے جس کا تذکرہ ”لمعات قمریہ“ میں کر چکا ہوں۔ اسی واسطے علامہ عبدری مکی مشتہر بابن الحاج نے ”مدخل شریف“ میں فرمایا کہ مرید اپنے پیر و مرشد کی تعظیم کرے اور اسے تمام اولیاے زمانہ پر ترجیح دے۔

کیوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی شے میں رزق دیا جائے، چاہیے کہ اس کو لازم پکڑے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

اسی ”مدخل شریف“ میں ہے کہ ”مرید کے لیے وسعت اس میں ہے کہ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور پیر کے دامن کے ساتھ وابستہ رہے اور اپنے تمام کاموں میں اس پر اعتماد کرے اور بے فائدہ تضییع اوقات سے بچے۔“ اور علامہ ابو القاسم قشیری علیہ الرحمۃ ”رسالہ قشیریہ“ میں کاملین کے اقوال کو نقل فرمایا ہے:

”مَنْ قَالَ لِاُسْتَاذِهٖ لِمْ لَا یُفْلِحُ اَبَدًا.“

ترجمہ: جو مرید اپنے پیر کے کسی کام میں ”کیوں“ کہے گا کبھی فلاح نہ پائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرید کو خاموشی سے کام لینا چاہیے، ہاں جو امر سمجھ میں نہ آئے یا

---

(۱)-مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان □، ج:۱۷، ص: ٤١٠

خلاف سمجھ میں آئے تو اس کو حضرت علیہ السلام کے واقعات سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت خضر علیہ السلام کے بہ ظاہر خلافِ شرع افعال سے اعتراض پیدا ہوتے تھے، لیکن جب خضر علیہ السلام نے سمجھایا تو حق معلوم ہو گیا۔ پس مرید کو چاہیے کہ پیر کے قول وفعل پر اعتراض نہ کرے اور اپنی مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض پیر کے ہاتھ پر مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔

چوں گرفتی پیرِ حق تسلیم شو ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

محبانِ من! جہاں قرآن پاک میں اولی الامر کی اطاعت آئی ہے۔ قول اصح پر اولی الامر سے مراد علمائے حق اور اولیاء اللہ ہیں، کیوں کہ انبیا کے نائب وہی ہو سکتے ہیں جو ان کے کام کو انجام دیں اور ظاہر ہے کہ خداوند کریم کے خلیفہ انبیا ہیں اور ان کے خلفا اولیاء اللہ ہیں۔ اسی اصول پر ارشاد ہوا:

"عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَانْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ."

عارفِ قرآن مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

چوں اطاعت پیر را کر دی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

"عوارف شریف" میں ہے کہ شیخ کے زیر حکم رہنا اللہ و رسول کے زیر حکم رہنا ہے اور جب معلوم ہو گیا کہ مرشد پیغمبر کا نائب ہے تو مرید کو چاہیے کہ اپنی آواز کو شیخ کی آواز پر بلند نہ کرے، بلکہ سرنگوں اور مؤدب بیٹھا رہے اس کے روبرو کوئی تسبیح و تہلیل نہ کرے۔ مرید کو یقین کرنا چاہیے کہ کوئی شغل پیر کے مشاہدہ سے بڑھ کر نہیں ہے جس طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدا سے ملاتے ہیں۔ اسی طرح ان کے قائم مقام بھی اللہ سے ملاتے ہیں۔ ان کی محبت خدا کی محبت کا سبب ہے اور دوسرے بزرگوں کی توقیر کرے کیوں کہ کل اولیاء اللہ " کنفسٍ واحدۃٍ " ہیں مگر ہاتھ میں شیخ ہی کا دامن رہے اور پیر کو اپنی مراد سمجھے اور جو تعلیم شیخ نے دی ہے اس پر عامل رہے، کیوں کہ مسلمانوں پر تقویٰ فرض ہے اور تقویٰ گناہ نہ کرنے کو کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں "اتقو اللّٰہ" آیا ہے اور "اتقوا" کا لفظ امر کا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

عزیزانِ من! یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نور باطن یعنی فلاح احسان محض ریاضت و محنت سے کوئی نہیں پا سکتا ہے، کیوں کہ ساری امتوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی بہتر نہیں ہے۔ بہت

سے اللہ والے ایسے گزرے ہیں کہ ان کے اعمال بظاہر صحابہ سے بہت زیادہ تھے۔ مگر مدنی سرکار ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی شخص کوہ احد کے برابر خدا کی راہ میں سونا دے تو بھی اس کا یہ صدقہ صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نصف صاع جو کے برابر بھی نہ ہو گا جو انھوں نے خدا کی راہ میں دی ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا، سر کی آنکھ سے اپنے نبی ﷺ کو دیکھنا، اگر اسی کو وزن کیا جائے تو دوسروں کی عمر بھر کی عبادت مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

یہی ایک وجہ ہے کہ صحابہ غیر صحابہ سے افضل ہیں۔ یوں کہ فلاح اور احسان مرشدوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور ان کی جانی اور مالی خدمت کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیوں کہ ہدایت کرنے میں انبیاے کرام کے نائب ہیں۔ انبیا کے دنیا میں آنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو صحبت کی تاثیر پہنچائیں ورنہ فقہ و عقائد کا مسئلہ فرشتوں سے بھی معلوم ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ حدیث گزری علم فقہ و عقائد کے مسائل کا دارومدار مناسبتِ تامہ پر نہیں ہے۔ بخلاف تاثیرِ صحبت کے اس کے لیے مناسبت تامہ کی ضرورت ہے تا کہ فائدہ تام حاصل ہو۔

اسی واسطے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ صحبت کی تاثیر سے ایک انسان ایک انسان سے فائدہ اٹھائے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبتِ با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

پس معلوم ہوا کہ اگر مشقت ہی سے قرب حاصل ہوتا اور نفس کی برائیاں دفع ہو جاتیں تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رہبانیت سے منع نہ فرماتے۔ علاوہ ازیں بہت سے مسائل ہیں جس میں آقاے دو عالم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر اپنی امت کو مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو یہ حکم دیتا۔ خود ذات وحدہ لاشریک نے بھی فرمایا:

''مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ''(۱)

''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۚ''(۲)

---

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۷، الحشر: ۵۹.

(۲)-القرآن الکریم، آیت: ۳، ٤، النجم: ۵۳.

اس سے معلوم ہوا کہ اصل شریعت حضور کی زبان پاک ہے۔حضور کا کلام، کلام اللہ ہے۔

الغرض فلاح اور احسان کو پہچاننا محنت اور ریاضت اور مجاہدہ پر موقوف نہیں ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ مشائخ مریدوں کو ریاضت کا حکم کیوں دیتے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ محدث پانی پتی علیہ الرحمۃ نے یہ جواب تحریر فرمایا ہے کہ مشائخ کا اس حکم سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ریاضت سے عناصر اور نفس کی پاکیزگی ہو جائے۔ حصول قرب و فلاح کے لیے حضرت مولانا نے یہ ہی فرمایا ہے کہ "بعض بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ "نفس کی پاکیزگی اس وقت تک نہیں ہوسکتی ہے جب تک پیر کی صحبت کی تاثیر مدد نہ کرے" خلاصہ یہ کہ فلاح و احسان فقر کے نشیب و فراز میں گرفتار ہونے کا ڈر ہے کیوں کہ ولایت سے مراتب غیر متناہی میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

بہر حال طالب صادق کو چاہیے کہ پیر کے سامنے حاضر رہے کیوں کہ کوئی شغل پیر کے مشاہدہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے: "كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"(۱) یعنی صادقوں کی صحبت و سیرت اختیار کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث علیہ الرحمۃ "قول جمیل" میں فرماتے ہیں کہ پیر کی عدم موجودگی میں پیر کی صورت خیالی کے تصور سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو حضوری میں ہوتا ہے:

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی　　　باشد کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

عزیزانِ من! صورتِ شیخ میں حقیقت کی جلوہ گری ہے۔ اس لیے صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ تصور سے راستہ قریب تر ہو جاتا ہے:

اس طرح اس کے تصور کو جما لوں دل میں
اپنی صورت پہ بھی ہونے لگے دھوکا اس کا

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔(کنزالایمان)

(۱)-القرآن الکریم، آیت: ۱۱۹، التوبۃ: ۹.

حضرت والدی[۱] قدس سرہ نے ایک گرامی نامہ میں مجھے تحریر فرمایا:

”توچناں کہ مراخواہی فہمید انچناں بر تو تجلی خواہم گشت۔“

ترجمہ: تو مجھ کو جیسا سمجھے گا میں ویسا ہی تجھ پر تجلی کروں گا۔

سیدی شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”عوارف“ میں فرماتے ہیں کہ مریدوں کو چاہیے کہ پیرانِ عظام پر اعتراض نہ کریں، کیوں یہ مریدان کے لیے زہر قاتل ہے۔ اگر کوئی بات شیخ کے تصرفات سے صحیح معلوم نہ ہو تو ان میں حضرت خضر علیہ السلام کی بات کو یاد کرے۔ ملخصًا[۲]

اور علامہ امام ابوالقاسم علیہ الرحمۃ ”رسالہ قشیریہ“ میں فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمٰن سلمی علیہ الرحمۃ کو فرماتے سنا ہے کہ ان کے شیخ طریقت ابوسہل صلعوکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو اپنے پیر سے کسی بات میں ”کیوں“ کہے گا فلاح نہ پائے گا۔

اور مولانا ثناء اللہ پانی پتی محدث نے ”ارشاد الطالبین“ میں فرمایا ہے کہ اگر شیخ سے اس کی زندگی میں کوئی خلاف بات یک بہ یک سرزد ہو جائے تو اس پر اعتراض نہ کرے بلکہ تاویل کرے اور اگر ممکن ہو عذر پر یا حالت سکر پر محمول کرے معلوم ہوا کہ مرید کے لیے بہتر یہ ہے کہ اعتراض سے بچے اور اپنے آپ کو اس شعر کا مصداق بنائے۔

بہ مَے سجادہ رنگیں کن اگر پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

---

(۱)-سید السالکین سید شاہ تاج الدین شاکر علیہ الرحمۃ۔

(۲)-عوارف المعارف، آدابِ مریدین، ص:۵۶۸

پندرہواں باب
سلسلہ محمدیہ کی تحقیق

عزیزانِ من! جاننا چاہیے کہ اس سلسلہ کو محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے نسبت ہے۔ ان کے مداح ابن عبدالوہاب کے ہم عقیدہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کے پیر جب بیعت لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے مرید کیا تجھ کو خاندان قادریہ، چشتیہ و نقش بندیہ و مجددیہ و محمدیہ میں اور کہتے ہیں کہ جو اس کے خلاف کرے یعنی سلاسل اربعہ سے بوقت بیعت ایک طریقہ کا نام لے وہ ناجائز ہے۔

عزیزو و محبو! وقتِ بیعت متعدّد سلاسل کا نام لینا ہی خلاف طریقۂ معہودہ ہے۔ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم سے متوارث یہی ہے کہ بیعت ایک ہی سلسلہ میں لیتے ہیں، پھر وقت خلافت جتنے سلاسل کی اجازت اپنے آپ کو ہے ان میں سب یا بعض کا مجاز کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ ایک مکان تک چار راستے ہوں تو مسافر سے یہ قسم لینا کہ میں چاروں راہیں چل کر جاؤں گا، حماقت و جہالت ہے۔ ہاں جو ایک راستہ چلا اور اسے راہوں کی بصیرت ہے کہ وہ ان سب کی رہبری کر سکے، اسے یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ جس راہ کو مناسب جانے لے جا، شاید یہ بھی کسی تازی وحی کا نیا حکم ہے جس نے سلف کے طریقے کو منسوخ و ناجائز کر دیا۔ طرفہ یہ کہ خود سید صاحب بھی ایک ہی طریقہ نقش بندیہ میں مرید ہوئے تھے جیسا کہ ''صراطِ مستقیم'' میں موجود ہے۔ عجب کہ ناجائز بیعتوں کے فیض سے بارہ سال بعد جائز بیعت کا اتقا ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ جس شجرہ میں سید احمد صاحب کا نام نہ ہو تو وہ مقبول نہیں، یقین رکھو کہ حضور ﷺ کے سوا کسی کا مرتبہ نہیں کہ شجرہ طریقت میں بے ان کے نام کے مقبول نہ ہو۔ شجرہ نقش بندیہ میں مولا علی کا نام نہیں اور مقبول ہے۔ شجرہ چشتیہ میں صدیق اکبر کا نام نہیں اور مقبول ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرت مجدد صاحب سے شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک شجرہ جو ان کے پیروں نے دیے، کیوں کر مقبول ہوئے۔ ان میں سید احمد صاحب کا نام

کہاں تھایاان کے وقت سے تازی وحی آئی "صراط مستقیم"[۱] میں کہ بعض اولیا کو مثل انبیا معصوم اور صاحبِ وحی مانا اور خود سید صاحب کو انھیں میں گنا تو وحی تازہ کا کیا تعجب رہا۔ دیکھو حضور اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب "الکوکبۃ الشھابیہ"، ص:۲۱۔ ۲۲

یہ بھی بعض مبلغ کہتے ہیں کہ جو سید صاحب کو مجدد نہ مانے برا ہے۔ شریعت غرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ شریعت نے مجدد کا ہونا بیان فرمایا ہے۔ خاص ناموں کی تعیین نہ آئی کہ جو ان میں بعض کی نسبت شک کرے یا انکار کرے اور مورد طعن و تشنیع ہو ان کی مجددیت کی حقیقت بیان سے کچھ واضح ہو سکتی ہے۔

حضرت علامہ محمد طاہر محدث "مجمع البحار" میں فرماتے ہیں:

"اَلْمُرَادُ مَنْ اِنْقَضَتِ الْمَائَۃُ وُھُوَ حَيٌّ عَالِمٌ مَشْھُوْرٌ۔"

یعنی مجدد سے مراد وہ شخص ہے کہ صدی گزری اور زندہ عالم مشہور ہو۔ ۱۲۰۰ھ کے ختم تک سید صاحب کا مشاہیر سے ہونا در کنار وہ اپنی عمر تک علم کے اہل نہ ہوئے، اہل علم ہونا بڑی بات، نرے ناخواندہ تھے۔ الف، با کے نام نہیں جانتے تھے۔ خود مولوی اسمٰعیل نے "صراط مستقیم" میں اس کا اقرار کیا اور اسے ایک سخت مذموم ملعون طور پر ظاہر کیا۔ یعنی ان کے جاہل ہونے کو معاذ اللہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی امی ہونے سے تشبیہ دی۔

بے ادب ملا نے لکھا ہے:

"از بس کہ نفس عالی حضرت ایشاں بر کمال مشابہت جناب رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام در بدو فطرت مخلوق شدہ بناءً علیہ لوح فطرت ایشاں از نقوش علوم رسمیہ و راہ دانش منداں کلام و تحریر و تقریر مصفیٰ ماندہ بود" والعیاذ باللہ رب العالمین۔

لفظ "امی" سے جاہل سمجھنا یہ بدمذہبوں کا مذہب ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

(۱)۔ پس علوم کلیۂ شرعیہ اور ابدو واسطہ پر سد بوساطت نور جبلی و بوساطت انبیاعلیہم الصلاۃ والسلام پس در کلیات شریعت و حکم و احکام ملت او را شاگرد انبیاہم میتواں گفت و ہم استاذ انبیاہم و نیز طریق اخذ آنم کشعبہ الیست از شعب وحی کہ آں را در عرف شرع بنفث فی الروع تعبیر می فرمانید و بعضے اہلِ کمال آں را بوحی باطنی می نامند (صراطِ مستقیم، ص:۴۰)

فرماتا ہے: ''الٓمّٓ'' سرکار نے فرمایا: ''فَهِمْتُ فَهِمْتُ'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' نکرہ تحت نفی میں واقع ہے۔ ارشاد ہے کہ آپ کو سب علم بخشا جو نہیں جانتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''امی'' کا مطلب کچھ اور ہے۔ کچھ سمجھو! امی کہتے ہیں ماں کو اور ماں کے بہانہ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیا، اولیا، سب کے سب حضور علیہ السلام کے طفیل میں پیدا ہوئے، اس لیے قرآن کہتا ہے ''اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ'' نبی کریم ﷺ کی بیبیاں تم سب کی مائیں ہیں۔ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے: ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ''۔ صاحب بیضاوی لکھتے ہیں کہ ''ایک قراءت میں ''وَهُوَ اَبٌ لَهُمْ'' ہے یعنی نبی کریم ﷺ سب کے باپ ہیں۔ چوں کہ آپ کے بہانہ سے آپ کے وجود سے سب موجود ہوئے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ''امی'' کے لفظ سے اشارہ فرمایا کہ ''خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ اُمَّ مِنْ کل انبیاء و اولیاء'' کا ظہور اسی ہستی سے ہوا۔ بایں وجوہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ''۔[1]

الغرض لفظ ''امی'' کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہ لفظ ''امی'' خدا کی خدائی میں کسی نبی کو لقب نہ ملا۔ کسی بے ادب کا یہ کہنا کہ سید صاحب کو ﷺ کی مشابہت میں پیدا فرمایا ہے۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔

رہا سلسلہ محمدیہ، اسلامی جتنے سلسلے ہیں، شریعت کے ہوں یا طریقت کے سب محمدیہ ہیں کسی خاص سلسلہ کا نام محمدیہ رکھنا اور اسے سلاسل علیہ قادریہ ونقش بندیہ وچشتیہ کے معاذ اللہ معاذ اللہ مقابل قرار دینا سخت جہالت ہے۔ یہ بھی وہابیہ کی ایجاد ہے کہ اہل سنت جو اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے ہیں، یہ اعدائے دین ان کے مقابل اپنے طائفہ کا نام محمدی رکھتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

ظاہر ہے کہ چند متقابل چیزوں میں ایک کی دوسرے سے نفی کی جاتی ہے، مثلاً جو حنفی، قادری ہے اس سے کہیے کہ تو شافعی چشتی ہے تو انکار کرے گا، وبالعکس ہذا ہمیشہ علمائے اسلام اپنے گروہ کے ایسے نام رکھنے سے محترز رہے بایں وجہ کسی نے اپنا نام محمدی نہیں رکھا، حالاں کہ سب ہی اسلام کی جماعتیں محمدی ہیں۔

---

(۱)-مرقاۃ المفاتیح، باب الایمان بالقدر، ص: ۳۸۷۔

سولھواں باب
شجرہ شریف قبر میں رکھنے کے جواز میں

پہلی دلیل: محدثین بھی سند کا شجرہ رکھتے ہیں اور علمی مدارس کا دستور ہے کہ فارغ التحصیل طلبہ کو مدرسہ سے حدیث وتفسیر کی سند دی جاتی ہے، مگر اشرف سلاسل بہ اعتبار نورانیت و روحانیت و معرفت وتقویٰ کے یہی سلاسل صوفیہ قدست اسرارہم ہیں اور چوں کہ بیعت زیر شجرہ ہوئی تھی، اس لیے صوفیہ فی الجملہ مناسبت کے لحاظ سے اس بیعت کی سند جو دیتے ہیں اس کو شجرہ کہتے ہیں اور جس طرح شجرہ یعنی درخت میں شاخیں بہت ہوتی ہیں اور اصل تنا ایک ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی قادریہ، چشتیہ، ابوالعلائیہ، فردوسیہ وغیرہا شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں بہ اختلاف مجاہدہ نوبہ نو نسبت پیدا ہوتی ہے، مثلاً قادریہ سلسلہ میں قلبی سوز و گداز، چشتیہ طریقہ میں غلبۂ شوق و ذوق۔ نقش بندیہ میں کثرت استغراق وانہماک، نسبت ابوالعلائیہ میں جوش و خروش۔ اور کبھی کبھی یہ حضرات تواتر کیفیت سے بھی مکیف ہوتے ہیں مگر سب اپنے اصل یعنی اصل الاصول سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جاکر مل جاتے ہیں، کیوں کہ اصل شیخ الشیوخ وہی ہیں۔ اس لیے اس مبارک نیت سے بزرگانِ دین نے بہ خیال برکت شجرہ کا قبر میں رکھنا معمول کیا ہے، جس کی تحقیق عمیق میں نے کتاب ''لمعات قمریہ'' میں کی ہے۔ اس کتاب میں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوے اور ''رسالہ فیض عام'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ—

''شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگانِ دین است۔''

اور اپنے فتاویٰ میں ایک عالم کی رائے نقل کرتے ہیں کہ قبر کے طاقچہ میں رکھ دینا چاہیے۔ لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جہاں چاہے رکھے، سینہ پر رکھے یا طاقچہ میں رکھے، نیت صالح

اور غرض صحیح ہونی کافی ہے۔

دوسری دلیل: ایک حدیث امام ترمذی سیدنا محمد بن علی معاصر امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نوادر الاصول میں روایت کی ہے -رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ دعا کسی کاغذ پر لکھے اور میت کے سینہ پر رکھے اُسے عذابِ قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں۔اسی طرح علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔

تیسری دلیل: حضرت طاؤس تابعی علیہ الرحمۃ نے اپنے کفن پر عہد نامہ لکھنے کی وصیت کی اور وہ دعا بعد انتقال اسی طرح لکھی گئی۔

چوتھی دلیل: "در مختار" اور "شرح منیۃ المصلی" وغیرہا میں ہے کہ کفن پر عہد نامہ لکھنے کو جائز بتایا گیا۔فقہا نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عہد نامہ کے مفہوم کو جو دعا ادا کرے اس دعا کو بھی لکھنا مستحسن ہے۔رہا شجرہ، اس کا جواز بھی اس سے ظاہر ہے کہ وہ اسمائے محبوبانِ خدا و اولیاء اللہ پر مشتمل ہے۔اس سے برکت و توسل ڈھونڈھنا ضرور جائز ہے۔رہا بعض لوگوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، وہ قرآن شریف کی سورتوں کے متعلق ہے۔اور یہ اعتراض کہ میت کے جسم سے ریح وغیرہ نکلتی ہے تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔اس کا ازالہ حضرت امام نصیر الدین شاگرد امام یوسف علیہ الرحمہ نے دیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصطبل میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا- "حبيسٌ في سبيل الله" جو احتمال نجاست کا یہاں ہے وہ وہاں بھی تھا، بلکہ یہاں تو آنکھوں سے معاینہ کیا جاتا ہے کہ گھوڑے اصطبل میں لوٹتے ہیں تو اسم الٰہی گوبر اور لید سے آلودہ نظر آتا ہے۔اسی طرح سلطنتِ اسلامیہ میں سکوں پر آیاتِ قرآنیہ اور کلمہ وغیرہ لکھے جانے سے مقامِ نجاست میں سکوں کا ہونا تجربات دنیا سے ہے، بخلاف قبر کے کہ وہاں اگر رحمتِ الٰہی نہ اتری تو آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

الغرض، غرض صحیح کے لیے ایسا کرنا مطلوب ہوگا۔اگرچہ اس کی نجاست سے تلوث کا احتمال ضعیف ہو، بعض کا یہ کہنا کہ وہاں پہچان کے لیے لکھا گیا تھا جس کا جواب ہمارے ائمہ نے دیا ہے کہ کلمات معظّمہ اپنے حال پر باقی ہیں، انھیں معرضِ نجاست پر پیش کرنے کی اجازت

کسی حال میں نہیں ہو سکتی ہے۔ (فتاویٰ الکبریٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالح غرض موجود فی الحال کو نہیں روکتا ہے۔ ان فوائد کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں، وہ یہ کہ شجرہ کی وجہ سے لوگوں کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں صاحب کے مرید ہیں اور اس کا سلسلہ فلاں کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے پڑھنے والا جب پڑھے گا تو ان بزرگوں کے نام کی برکت سے رحمتِ الٰہی کا نزول ہوگا۔ ”عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ“[۱] یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت اترتی ہے۔ علاوہ بریں اگر بار بار پڑھا جائے تو شجرہ کے بزرگوں سے ربط قلبی ہو جائے گا اور ربط قلبی سے راستہ آسان ہو جاتا ہے،

ہمارے مخدوم الملک حضرت شاہ شرف الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ”اگر کسی کو کوئی دشواری دینی یا دنیاوی پیش آوے تو اس کو چاہیے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرے اور اپنے پیرانِ سلسلہ کے شجرہ کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان بزرگوں کو شفیع لائے کہ اے خدا ان ارواح طیبات کی برکت سے مجھ کو فتح یاب بنا اور مشکلوں اور آفتوں کو دور فرما۔ اللہ تعالیٰ اس حاجت کو روا، مشکلوں کو آسان اور آفتوں کو دور فرما دیتا ہے۔“

دین و دنیا کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر مریدوں کو شجرہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ شجرہ شریف کے ذریعہ دونوں جہاں کا فائدہ حاصل کریں اور اپنے رب کے حضور میں اس ذریعہ سے بخشش و رحمت کے طلب گار رہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ تمت بالخیر۔

احقر الوریٰ سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی عفا اللہ عنہ
پنڈ شریف براہ اسٹیشن شیخ پورہ، ضلع مونگیر (بہار) (۱۳۷۵ھ)

---

(۱)-مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز / باب المشی بالجنازۃ، ج:۵، ص:٤٢٦

منقبت

یہ زمین و زماں، یہ مکین و مکاں، مرحبا کُل جہاں اُن کی مٹھی میں ہے
دونوں عالم کے مختار ہی وہ نہیں، بولیے لامکاں اُن کی مٹھی میں ہے
میرے مولا علی جو ہیں شیرِ خدا، آپ کا مرتبہ مرحبا مرحبا
جو دیا میرے آقا نے ہجرت کی شب، قیمتی وہ عماں اُن کی مٹھی میں ہے
مصطفیٰ کے جو محبوب و مقبول ہیں، گلشنِ فاطمہ کے وہ دو پھول ہیں
کربلا میں اٹھے دینِ حق کے لیے، عزم و ہمت نہاں ان کی مٹھی میں ہے
قابلِ رشک ہے جن کی اک اک ادا، تاج دارِ ولایت ہیں غوث الوریٰ
جن کی ٹھوکر سے مردے بھی زندہ ہوئے، قم باذنی نہاں ان کی مٹھی میں ہے
بھیجا خواجہ کو سرکار نے ہند میں ، تاکہ اسلام پھولے پھلے ہند میں
فکر اجمیر کی تم کو چوہان ہے، پورا ہندوستاں ان کی مٹھی میں ہے
بربطِ دل سے آتی یہ آواز ہے، تجھ سے کہنے لگا شاکری تاج ہے
اِس نگر پنڈ میں آپ کا راج ہے، اِس کا امن و اماں ان کی مٹھی میں ہے
آسمانِ ہدایت کے پیارے قمر، باغِ احسن ہے یہ یعنی رضواں نگر
بابِ فیضان سے بابِ حمدان تک فیض کا کارواں ان کی مٹھی میں ہے
میں ہوں مہدیؔ مگر زرد چہرہ نہیں، مفلسی کا کبھی کوئی پہرا نہیں
آیا طوفانِ غم پر وہ ٹھہرا نہیں، میرا عزمِ جواں ان کی مٹھی میں ہے

کاوش:

شاعر اسلام مولانا الحاج لیاقت مھدی، پرولیا، جے پور، بنگال

مصادر ومراجع

* –القرآن الکریم.... منزل من اللہ تعالیٰ....
* –کنز الایمان.... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں، متوفیٰ: ۱۳۴۰ھ.... مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ
* –صحیح البخاری.... امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفیٰ: ۲۵۶ھ.... مجلسِ برکات
* –صحیح لمسلم... امام حافظ مسلم بن حجاج نیشاپوری، متوفیٰ: ۲۶۱ھ.... مجلسِ برکات جامعہ اشرفیہ
* –جامع الترمذی.... امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفیٰ: ۲۹۷ھ۔مجلس برکات جامعہ اشرفیہ
* –سنن ابن ماجة.... امام محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، متوفیٰ ۲۵۷ھ.... مجلسِ برکات
* –سنن ابی داؤد.... حافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، متوفیٰ: ۲۷۵ھ.... مجلسِ برکات
* –مشکاۃ المصابیح.... امام ولی الدین محمد بن خطیب تبریزی، متوفیٰ: ۷۴۲ھ.... مجلس برکات
* –مسند احمد بن حنبل.... امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل، متوفیٰ: ۲۴۱ھ.... دار الکتب العلمیہ، بیروت
* –فتح الباری.... امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفیٰ: ۸۵۲ھ.... دار الکتب العلمیہ، بیروت
* –مرقاۃ المفاتیح.... علامہ ملا علی بن سلطان قاری، متوفیٰ ۱۰۱۴ھ.... دار الفکر، بیروت
* –طبقات ابن سعد.... حافظ محمد بن سعد بن منیع الزہری، متوفیٰ: ۲۳۰ھ.... دار احیاء التراث العربی
* –تھذیب التھذیب.... حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفیٰ ۹۳۲ھ.... دار احیاء التراث العربی
* –شرح الزرقانی.... علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، متوفیٰ: ۹۲۳ھ.... برکات رضا، پوربندر
* –حسامی.... شیخ حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الاخسیکثی، متوفیٰ: ۶۴۴ھ.... مجلسِ برکات
* –میزان الشریعۃ الکبریٰ.... علامہ عبد الوہاب بن احمد شعرانی، متوفیٰ: ۹۷۳ھ.... دار الکتب العلمیۃ
* –بھجۃ الاسرار.... علامہ نور الدین علی بن یوسف شطنوی، متوفیٰ: ۷۱۳ھ.... دار الکتب العلمیہ
* –در مختار.... علامہ علاء الدین محمد بن حصکفی، متوفیٰ: ۱۰۸۸ھ.... دار الکتب العلمیہ، بیروت
* –الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ.... قاضی ابو الفضل عیاض، متوفیٰ: ۵۴۴ھ.... برکاتِ رضا
* –عوارف المعارف.... امام عمر بن محمد سہروردی شافعی، متوفیٰ: ۶۳۲ھ.... دار الکتب العلمیہ، بیروت
* –صراط مستقیم.... مولوی اسماعیل دہلوی.... مکتبہ تھانوی، دیوبند
* –فتاویٰ رشیدیہ.... مولوی رشید احمد گنگوہی.... مکتبہ تھانوی، دیوبند
* –مرثیہ رشید احمد.... مولوی محمود الحسن.... مکتبہ تھانوی، دیوبند

برائے ایصالِ ثواب

مرحومہ رابعہ خاتون

زوجہ محمد عبدالنبی

معاونین

رضوانی ویلفیئر ایسوسی ایشن، بھدرک، اڑیسہ

ایس کے عبدالقادر ایس کے عبدالکریم

کنک پرساد پوسٹ کاتھی کھولا، بھدرک، اڑیسہ

For the Esaal-e-Sawab of

Marhooma RABIA KHATOON

Wife Of Mohammad Abdun Nabi

Donaters

Rizwani Welfare Asociation

Bhadrak, Orissa

S.K.AbdulQadir S.K.AbdulKarim

KanakPrasad,Po.KathiTola,Bhadrak,Orissa



امتِ محمدیہ میں ابتدا ہی سے دو طرح کی شخصیات رہی ہیں، ایک تو وہ جنھیں ہم علمائے شریعت کہتے ہیں، ان کا اصل ہدف انسان کے ظاہر کو شرعی احکام کے سانچے میں ڈھالنا اور اس کے ظاہر کی اصلاح کرنا رہا ہے، دوسرے وہ جنھیں عرفائے طریقت اور اربابِ تصوف کہا جاتا ہے، ان کا اصل مقصد انسان کے باطن کی اصلاح اور آراستگی ہے، ان دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے نفوسِ قدسیہ جو گہرا علم اور تعمیری فکر رکھتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوئے۔ ہاں جہاں علم کی کمی، اخلاص کا فقدان اور تعمیری فکر کے بجائے تخریبی ذہنیت کی کارفرمائی ہوئی، وہاں ان کے برے نتائج کا ظہور ایک فطری چیز ہے، دونوں گروہوں میں جہاں مخلصین کا ایک تسلسل نظر آتا ہے وہیں اخلاص وللّٰہیت سے خالی، منفی ذہنیت کے حامل افراد کی موجودگی بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے مصنف عارفِ حق آگاہ، شیخ ربانی حضرت مولانا سید شاہ قمرالہدیٰ قادری ابوالعلائی علیہ الرحمۃ والرضوان ان مخلص اربابِ طریقت سے ہیں جو شریعت وطریقت کے جامع تھے۔

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی

QamrulHedaya

Published By-

Bargahe Shakirya Educational Mission

Mob. No. 9955716300, 993994657

Dsgn & Composing- Payami Computer Graphics, Mubarakpur 09235647041